AUSTRALIA	A$3.50	DENMARK	D. KR. 14.00	ITALY	LIT. 3,000	NEW ZEALAND	NZ$4.95	SRI LANKA	Rs 40
BANGLADESH	Taka 20	FRANCE	Fr 10.	JAPAN		NORWAY	N. KR12.00	SWEDEN	Kr 15
BELGIUM	Fr 70	FINLAND	F. MK 10.00	KOREA	W 1.800	PAKISTAN	Rs. 15	SWITZERLAND	Fr 3
BRUNEI	B$4.50	GERMANY	DM3.50	MALAYSIA	RM 3.00	PHILIPPINES	P 25	THAILAND	B 40
CANADA	C$.3.50	HONG KONG	HK$ 15.00	MALDIVES	Rf 12.00	SAUDI ARABIA	SR 3	U.K	£1.30
CHINA	RMB 12.50	INDONESIA	RP 3,400 (INC.PNN)	NETHERLANDS	G3.30	SINGAPORE	S$2.50	U.S.A	US $ 3.00

فوٹو شناختی کارڈ

مسلمانوں کو غیر ملکی قرار دینے کی مہم کا ایک حصہ؟

کیا فوٹو شناختی کارڈ ہندوستانی مسلمانوں کو غیر ملکی قرار دینے کی مہم کا ایک آئینی و قانونی حصہ ہے؟ کیا اسکا مقصد مسلمانوں کو بڑے شہروں سے بھاگنے پر مجبور کرنا ہے؟ کیا اس کی آڑ میں مسلمانوں کو اہم سرکاری وغیر سرکاری عہدوں پر پہنچنے سے روکنے کی مہم چھیڑی جائے گی اور کیا یہ کارڈ مسلمانوں کو کلیدی عہدوں سے دور رکھنے کا ایک موثر حربہ ثابت ہوگا؟ ایسے نہ جانے کتنے سوالات آج مسلمانوں کے ذہنوں میں گردش کر رہے ہیں ملک گیر سطح پر مسلمانوں کو بنگلہ دیشی قرار دیکر انہیں آئین کے ذریعے حاصل حق رائے دہی سے محروم کر دینے کی سازش کا جو جال نبا جارہا ہے اس کے تناظر میں فوٹو شناختی کارڈ کا پورا معاملہ دیکھنے سے فطری طور پر مذکورہ سوالات پیدا ہو رہے ہیں اور چیف الیکشن کمشنر ٹی این سیشن کی نیت شکوک و شبہات کے دائرے میں آ گئی ہے۔

ٹی۔ این۔ سیشن نے جس وقت سے انگڑائی لی ہے انہیں خاصی شہرت حاصل ہو رہی ہے۔ انہوں نے بلاشبہ انتخابی عمل میں کافی اصلاحات کی ہیں اور ایسے جرآت مندانہ قدم اٹھائے ہیں جن کی نہ توقع کی جارہی تھی اور نہ ہی ماضی میں کسی نے ایسی مثال ہی پیش کی تھی۔ لیکن مجموعی طور پر انکے اقدامات کا اگر گہری نظر سے جائزہ لیا جائے تو ذہن یہ ماننے کو قطعاً تیار نہیں ہوتا کہ ان کے تمام اقدامات خلوص نیت پر مبنی ہیں۔ ہم ان کی نیت پر شبہ نہیں کر رہے ہیں لیکن انہوں نے بعض ایسے قدم بھی اٹھائے ہیں جن سے مسلم دشمنی کی بو آتی ہے۔ ان کے بیشتر اقدامات بی جے پی جیسی فسطائی جماعت کو آکسیجن مہیا کرنے میں معاون ثابت ہو رہے ہیں۔ بمبئی کے مسلمانوں کو شہریت ثابت کرنے کا ان کا حکم اور بہار میں ووٹر لسٹ کو اردو میں شائع کرنے پر ان کی جانب سے لگائی گئی پابندی ان کی قلعی کھولنے کے لئے کافی ہے۔ حالانکہ انہوں نے یہ اقدامات بقول انکے انتخابی عمل کو صاف ستھرا بنانے کے لئے کئے ہیں لیکن لاکھ چھپانے کے باوجود ان کی نیت کا فتور واضح ہو گیا ہے۔

یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ 1995 میں ہونے والے انتخابات میں شناختی کارڈ کا ہونا ضروری ہے اگر کسی ریاست میں کارڈ نہیں بنے ہیں تو سیشن صاحب وہاں الکشن نہیں ہونے دیں گے۔ ان کے اس دھمکی آمیز حکم کے بعد شناختی کارڈ بنانے کا سلسلہ تیزی سے چل پڑا ہے۔ دہلی میں دھواں دھار پیمانے پر کارڈ بنائے جا رہے ہیں۔ اسکا پہلا راؤنڈ ختم ہو گیا ہے اور دوسرا شروع ہونے والا ہے۔ 31 دسمبر آخری تاریخ ہے اس سے قبل شناختی کارڈ بنانے کا مرحلہ مکمل ہو جانا ہے۔ 6۔6 افراد پر مشتمل دس ٹیمیں اس کام میں مصروف ہیں۔ ہر ٹیم دس دن میں ایک اسمبلی حلقہ کو کور کر رہی ہے۔ ایک حلقے میں پانچ مقامات پر دو دو دن رک کر یہ کام ہو رہا ہے۔ اور اخباری رپورٹوں کے مطابق پچاس سے ستر فیصد لوگ اپنے شناختی کارڈ بنوا رہے ہیں۔

فوٹو شناختی کارڈ بظاہر ووٹ دینے کا ایک ہتھیار ہے اگر یہ ہتھیار آپکے پاس نہیں ہے تو آپ اپنی پسند کا نمائندہ منتخب نہیں کر سکتے۔ لیکن اگر اس کی گہرائی میں اترا جائے تو اس کے پیچھے بہت بڑا کھیل نظر آتا ہے۔ اس کارڈ کو کثیر المقاصد کارڈ کا درجہ دیدیا گیا ہے۔ ابھی تک دہلی میں راشن کارڈ کو شہریت کا ثبوت مانا جاتا تھا۔ لیکن اب اس کی جگہ شناختی کارڈ نے لے لی ہے۔ اگر آپ کے پاس کارڈ نہیں تو سمجھئے کچھ نہیں۔ آپ کے ہاتھ میں کارڈ ہے تو آپ کا پاس پورٹ بنیگا ڈرائیونگ لائسنس بنے گا۔ گیس کنکشن ملیگا۔ ٹیلیفون ملے گا یہاں تک کہ آپکو راشن ملیگا۔ آپکے کارڈ پر آپکے خون کے گروپ کے علاوہ ہر چیز کا اندراج ہوگا۔ مستقبل میں یعنی شناختی کارڈ کا مرحلہ پایہ تکمیل کو پہنچ جانے کے بعد راشن لیتے وقت آپکو اپنے کارڈ کا کوڈ نمبر بھی درج کرانا ہوگا۔ اگر آپ اس میں ناکام رہے تو آپ کا راشن کارڈ جعلی اور فرضی سمجھا جائے گا۔

شہریت ثابت کرنے کا جو حالیہ تنازعہ پیدا ہوا ہے اس کے بعد تو یہ شکایت عام ہو گئی ہے کہ فلاں فلاں مقامات کے مسلمانوں کے نام ووٹر لسٹ سے کاٹ دیے گئے ہیں اور پھر جن کے نام ووٹر لسٹ میں ہیں ہی نہیں ان کا کارڈ کیسے بنے گا۔ اور جب کارڈ نہیں تو آپ اس ملک کے شہری نہیں۔

ایک طرف مسلمانوں کے نام لسٹ سے کاٹ کر انہیں غیر ملکی قرار دیا جا رہا ہے اور دوسری طرف اخبارات میں یہ پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے کہ مسلم خواتین تصویر کشی میں پیش پیش ہیں۔ گویا شہریت کے ثبوت کا مسئلہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ جبکہ اس محاذ پر منظم انداز میں کام کیا جا رہا ہے اور فوٹو شناختی کارڈ کا معاملہ بذات خود اسی کا حصہ ہے۔ اگر یہ سلسلہ کامیاب ہو گیا اور لاکھوں مسلمانوں کو غیر ملکی قرار دیکر ان سے رائے دہی کا حق چھین لیا گیا تو پھر انہیں ہندوستان سے بھگانے کی بھی منظم مہم شروع کی جائے گی۔ جو اس ملک سے نہیں جائیں گے (اور جائیں گے بھی کہاں جبکہ اسی ملک کے شہری ہیں) ان سے مراعات چھین کر انہیں قانونی طور پر لولا لنگڑا اور اپاہج بنا دیا جائے گا تاکہ وہ سرکاری و غیر سرکاری اہم عہدوں پر نہ تو کبھی پہنچ سکیں اور نہ ملک کی تعمیر و ترقی میں کوئی رول ادا کر سکیں۔ ذرا تصور کیجئے کہ اگر یہ مہم کامیاب ہو گئی تو اسکا انجام کتنا بھیانک ہوگا اور پھر یہ بھی کہ یہ مہم ہندوستان کو ہندو راشٹر میں تبدیل کر دینے کی ناپاک کوششوں میں کتنی معاون و مددگار ثابت ہوگی؟

مسلم خاتون، الکشن کمیشن کے نرغے میں

> ایک طرف مسلمانوں کے نام لسٹ سے کاٹ کر انہیں غیر ملکی قرار دیا جا رہا ہے اور دوسری طرف اخبارات میں یہ پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے کہ مسلم خواتین تصویر کشی میں پیش پیش ہیں۔ گویا شہریت کے ثبوت کا مسئلہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ جبکہ اس محاذ پر منظم انداز میں کام کیا جا رہا ہے اور فوٹو شناختی کارڈ کا معاملہ بذات خود اسی کا حصہ ہے۔ اگر یہ سلسلہ کامیاب ہو گیا اور لاکھوں مسلمانوں کو غیر ملکی قرار دیکر ان سے رائے دہی کا حق چھین لیا گیا تو پھر انہیں ہندوستان سے بھگانے کی بھی منظم مہم شروع کی جائے گی۔

بمبئی میں ہٹلر کے قدموں کی آہٹ

گذشتہ چند برسوں سے مہاراشٹر کی سیاست میں جو تشویشناک واقعات رونما ہو رہے ہیں انہیں اگر مہاراشٹر میں ہٹلر کی آمد کا پیش خیمہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ یہ واقعات دراصل ہٹلر کے قدموں کی چاپ ہیں جنہیں سیاسی شعور رکھنے والا ہر شخص سن رہا ہے۔ سیاسی بصیرت کا حامل ہر فرد محسوس کر رہا ہے۔ لیکن حیرت انگیز اور تشویشناک بات یہ ہے کہ اس کے تدارک کی کسی کوشش کے بجائے اس کی راہیں آسان کی جا رہی ہیں۔

شیو سینا کے رہنما بال ٹھاکرے نے مسلم دشمنی کی بنیاد پر اپنی غنڈہ گردی کی ابتدا کی تھی۔ انہوں نے منافرت کے جو بیج بوئے تھے وہ آج تناور درخت کی شکل کھڑے ہو گئے ہیں، ان کی آبیاری جہاں ایک طرف شیو سینا کے غنڈوں نے کی ہے وہیں دوسری طرف جمہوریت اور سیکولرزم کے علمبردار سیاسی رہنماؤں نے بھی اس میں بھر پور رول ادا کیا ہے۔ سیاسی لیڈروں کے ساتھ ساتھ وہ لوگ بھی اس کے ذمہ دار ہیں جن کے مالی تعاون کی بنیاد پر شیو سینا کو اس قدر سیاسی قوت حاصل ہو گئی ہے۔ شرد پوار ہوں یا سدھاکر نائک یا دوسرے ابن الوقت اور موقع پرست لیڈران سب اس گناہ میں برابر کے شریک ہیں۔

بابری مسجد کے انہدام کے بعد بمبئی میں جو خونی رقص پیش کیا گیا اور جس میں مسلمانوں کو لہو کا غسل دیا گیا وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ پوری دنیا جانتی ہے کہ کس طرح بال ٹھاکرے اور ان کے غنڈوں نے جمہوریت، سیکولرزم، انسانیت، شرافت اور انصاف کا خون کیا اور ان کی دھجیاں اڑائیں، لیکن کسی نے بال ٹھاکرے سے یہ پوچھنے کی جرآت نہیں کی کہ تمہارے منہ میں کتنے دانت ہیں؟

بال ٹھاکرے

آج بال ٹھاکرے کا خوف بے بس، مظلوم اور بے سہارا عوام پر تو چھایا ہوا ہی ہے، سیاسی رسوخ کے مالک سیاستداں بھی ہیبت زدہ ہیں، بال ٹھاکرے کی زبان اور ان کا قلم مسلمانوں کے خلاف نفرت کا ماحول تو بنا ہی رہا ہے سیاستدانوں، جمہوری ادارے اور معزز شخصیات بھی ان کی زد سے محفوظ نہیں ہیں۔ وسط 1992 میں ان کے اخبار "سامنا" میں کچھ ایسا مواد اور کارٹون شائع ہوا تھا جو ریاستی قانون ساز ادارے کی شان میں گستاخی کے مترادف تھا۔ اسی وقت وہ معاملہ ریاستی اسمبلی کی مراعات کمیٹی کے سپرد کیا گیا تھا ایک طویل عرصہ کی خاموشی کے بعد گذشتہ دنوں مراعات کمیٹی نے ٹھاکرے کے خلاف ایک ہفتے کی جیل کی سفارش کی تھی۔ غالباً مراعات کمیٹی پر بھی ٹھاکرے کا خوف غالب تھا جبھی اس نے اس فیصلے تک پہنچنے میں تقریباً دو سال لگا دیا۔ اس سفارش کے بعد ٹھاکرے نے دھمکی دینی شروع کر دی کہ حکومت میں اگر دم ہے تو مجھے گرفتار کر کے دیکھے میں ایک ہفتہ کیا ایک سال بھی جیل میں رہنے کے لئے تیار ہوں لیکن اس کے بعد جو صورتحال پیدا ہوگی اس کی ذمہ داری حکومت کے سر ہوگی۔ گویا ٹھاکرے نے علی الاعلان یہ جتا دیا کہ ان کو گرفتار کرنا آسان نہیں ہے اور اگر انہیں گرفتار کیا گیا تو خون کی ندیاں بھی بہہ سکتی ہیں، ایک طرف ان کی دھمکی اور دوسری طرف شرد پوار کی ٹھاکرے نوازی کام آئی (واضح رہے کہ دونوں ایک دوسرے کے گہرے دوست ہیں) اور پھر پوار نے اسمبلی میں ایک قرارداد پیش کر دی کہ ٹھاکرے کے جرم کے مقابلے میں ایک ہفتے کی جیل کم ہے انہیں کم از کم ایک مہینے کی جیل ہونی چاہیے۔ انہوں نے مراعات کمیٹی سے یہ بھی کہا کہ بہتر ہوگا کہ وہ اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرے۔ پوار کی یہ قرارداد زبردست اکثریت سے پاس ہو گئی اور فیصلہ ایک بار پھر مراعات کمیٹی کو واپس کر دیا گیا۔

دراصل اس اقدام کے پیچھے پوار کے دل میں ٹھاکرے نوازی کا جذبہ کارفرما تھا اور یہ ایک عیارانہ قدم تھا، کیونکہ ریاستی اسمبلی کا دس روزہ سرمائی اجلاس ختم ہو گیا ہے اور اس معاملے پر پندرہ دسمبر کو مراعات کمیٹی فیصلہ سنانے والی ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اس پر عمل کیسے ہوگا؟ کیونکہ حالیہ اجلاس اسمبلی کا آخری اجلاس تھا اور اگلے فروری میں ریاستی اسمبلی کے انتخابات ہونے والے ہیں۔ دراصل یہ ایک سوچا سمجھا قدم تھا کہ اس معاملے کو لٹکا کر ٹھاکرے کو بچا لیا جائے۔

ادھر فرقہ وارانہ زہر گھولنے کے الزام میں ان کے خلاف عدالت میں رٹ بھی داخل کی گئی تھی یہ رٹ ایک معزز شہری اور ریٹائرڈ سول سرونٹ نے دائر کی تھی۔ اس میں عدالت سے اپیل کی گئی تھی کہ ٹھاکرے کے خلاف فرقہ واریت پھیلانے کے جرم میں سخت کارروائی کی جائے۔ لیکن عدالت نے اس رٹ کو ہی خارج کر دیا اور ٹھاکرے بے داغ رہا ہو گئے۔ جب کہ ٹھاکرے کی فرقہ پرستانہ سرگرمیوں سے سبھی واقف ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ انہوں نے بمبئی کو فرقہ واریت کے بارود پر بٹھا دیا ہے اور ان کی زبان و ان کا قلم جب چاہیں بمبئی کو آگ لگا سکتے ہیں۔ اس قسم کے مناظر اکثر سامنے آتے ہیں اور سبھوں نے اس کا مشاہدہ بھی کیا ہے، لیکن ان کے خلاف عدالت کا کارروائی سے گریز کرنا اس بات کی علامت ہے کہ ہٹلری دور قریب ہے۔ اگر تدارک کی قدم نہیں اٹھایا گیا تو بمبئی کو ہٹلری اقتدار کے زیر تسلط آنے سے کسی بھی قیمت پر نہیں بچایا جا سکتا۔

> بابری مسجد کے انہدام کے بعد بمبئی میں جو خونی رقص پیش کیا گیا اور جس میں مسلمانوں کو لہو کا غسل دیا گیا وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے، پوری دنیا جانتی ہے کہ کس طرح بال ٹھاکرے اور ان کے غنڈوں نے جمہوریت، سیکولرزم، انسانیت، شرافت اور انصاف کا خون کیا اور ان کی دھجیاں اڑائیں، لیکن کسی نے بال ٹھاکرے سے یہ پوچھنے کی جرآت نہیں کی کہ تمہارے منہ میں کتنے دانت ہیں؟

ہندوستان پلوٹونیم کا ذخیرہ کم کردے اور امریکہ پابندیاں اٹھالے تو

ہم اپنے ایٹمی پروگراموں کو لگام دے دینگے

امریکہ اور ہندوستان کو پاکستان کی مشروط یقین دہانی

امریکہ اور ہندوستان دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے پاکستان کا صاف لفظوں میں یہ انتباہ کہ وہ اس وقت تک اپنے نیوکلیائی پروگراموں کو لگام دینے پر راضی نہ ہوگا جب تک ہندوستان اپنے پلوٹونیم کے ذخیرے میں تخفیف نہیں کرتا یا پھر امریکہ پاکستان کے خلاف عائد پابندیوں کو ختم نہیں کردیتا۔ عالمی برادری کے سامنے پاکستان کی جانب

طریقے سے استحکام عطا کرنے میں مصروف ہے تو دوسری جانب پریسلر پابندیوں کے سبب اس کے پر کتر دیے گئے ہیں، جس سے اس کی دفاعی پوزیشن مجروح ہوتی نظر آرہی ہے۔ یہی سبب ہے کہ وہ ہر قیمت پر اپنے نیوکلیائی پروگراموں کو جاری رکھنے پر مصر ہے۔ کیونکہ پریسلر پابندیوں کے سبب امریکہ کی جانب سے پاکستان کو ملنے والی فوجی ومعاشی امداد کی

صلاحیت وقوت میں بے پناہ اضافہ ہوجائے گا اور یہی بات مغربی ممالک کے لئے شدید تشویش کا باعث ہے۔ کیونکہ امریکہ سمیت دیگر ترقی یافتہ ممالک نیوکلیائی اسلحہ سازی پر صرف اور صرف اپنی اجارہ داری قائم رکھنا چاہتے ہیں۔ اور اسلحہ سازی کی اپنی بے پناہ قوت فوجی اور جنگی برتری پر آنچ آئے بغیر ترقی پذیر ممالک کی جانب سے اس سمت میں کسی بھی قسم کی پیش رفت پر پابندی عاید کرنے کے لئے طرح طرح کے حربے اختیار کرتے ہیں۔ امریکہ کی جانب سے پاکستان کے خلاف عائد پریسلر پابندیاں ہوں یا ہندوستان اور پاکستان سمیت دیگر ترقی پذیر ممالک پر نان پرولیفریشن ٹریٹی (N.P.T) کی شرطوں کو قبول کرنے اور اس پر دستخط کرنے کے لئے طرح طرح سے دباؤ ڈالنے کی کوششیں ہوں مغرب کی اسی اجارہ داری اور دادا گری کا اظہار ہے۔

استعمال بین اقوامی قانون کی رو سے روا ہے؟" گرچہ ترقی یافتہ مغربی ممالک کی جانب سے نہ صرف اس قرارداد کی سخت مخالفت کی گئی بلکہ اس بات کی حتی الامکان کوششیں بھی ہوتیں کہ ڈرا دھمکا کر ترقی پذیر ممالک کو اس قرارداد کی حمایت اور اسے پاس کرنے سے روکا جائے۔ لیکن مغربی ممالک کو اس

میں پلوٹونیم کی پیداوار کے سلسلے میں خود مختاری حاصل کرنے کی کوششیں کامیاب نہ ہوسکیں اور امریکہ اور دیگر مغربی ممالک کی جانب سے اس کی راہ میں مزاحمتیں پیدا کی جاتی رہی ہیں۔ آٹھویں دہائی میں امریکہ کے دباؤ کے سبب ہی فرانس کو پاکستان کے ساتھ اپنے اس معاہدے کو ختم کرنا پڑا تھا جس

مغرب کی اس اجارہ داری اور امریکہ کی دادگیری کا ہی نتیجہ تھا کہ پاکستان کی جانب سے ماضی میں پلوٹونیم کی پیداوار کے سلسلے میں خود مختاری حاصل کرنے کی کوششیں کامیاب نہ ہوسکیں اور امریکہ اور دیگر مغربی ممالک کی جانب سے اس کی راہ میں مزاحمتیں پیدا کی جاتی رہی ہیں۔ آٹھویں دہائی میں امریکہ کے دباؤ کے سبب ہی فرانس کو پاکستان کے ساتھ اپنے اس معاہدے کو ختم کرنا پڑا تھا جس کے تحت پاکستان کا چشمہ پلوٹونیم پلانٹ کا منصوبہ ناکام ہوگیا تھا۔

ماہرین کا خیال ہے کہ پاکستان کے ذریعہ اپنی نیوکلیائی اسلحہ سازی میں توسیع واضافے کی دھمکی کا استعمال محض امریکہ کی جانب سے پریسلر ترمیم کے تحت نافذ پابندی کو اٹھانے کی غرض سے کیا جارہا ہے۔ جس کے تحت پاکستان کو اکتوبر 1990 سے ہی امریکی فوجی اور معاشی امداد روک دی گئی ہے۔ امریکہ کا اصرار ہے کہ پاکستان جب تک اس بات کی ضمانت نہیں دیتا کہ اس کے پاس کوئی نیوکلیائی اسلحہ نہیں ہے۔ اس وقت تک اس کے خلاف امریکی پابندیاں جاری رہیں گی۔

سے اپنی نیوکلیائی پالیسی پر قائم رہنے کی مجبوری اور جواز دونوں ہے۔ حال ہی میں "نیوکلونک ویک" جریدے میں شائع ایک رپورٹ کے مطابق پاکستان کے اس مشروط اعلانیے سے اس بات کا اندازہ لگانا دشوار نہیں کہ وہ بجائے خود اس خطے میں جاری نیوکلیائی اسلحہ سازی کی ریس کے خلاف ہے۔ اور یہی نفسیاتی جنگی خوف اس کے نیوکلیائی پروگراموں کو محرک ہے۔ کیونکہ اسے اس بات کا شدت سے احساس ہے کہ ایک طرف اگر ہندوستان نیوکلیائی ذخیرہ اندوزی اور نیوکلیائی پروگراموں کی منصوبہ بند

عدم حصولی کی وجہ سے پاکستان اپنے نیوکلیائی پروگراموں کو ہی نامساعد حالات سے نپٹنے کا واحد راستہ تصور کرتا ہے۔

مبصرین کا خیال ہے کہ شمالی پاکستان میں سرگودھا کے نزدیک واقع خوشاب نیوکلیری ایکٹر نے کام کرنا شروع کردیا ہو تو پاکستان جو کہ پہلے ہی نیوکلیائی اسلحے اپنے تصرف میں رکھتا ہے۔ اس ری ایکٹر کی تکمیل کے بعد اس کو پلوٹونیم کی پیداواری صلاحیت وقوت بھی حاصل ہوجائے گی جس سے اس کی جنگی قوت اور نیوکلیائی اسلحہ سازی کی

یہی سبب ہے کہ ترقی پذیر ممالک اب مغرب کی ان شاطرانہ چالوں کے خلاف ایک متحدہ لائحہ عمل اختیار کرنے کی سمت میں کوشاں ہیں۔ گذشتہ ہفتے اقوام متحدہ کی ایک کمیٹی میں ہندوستان اور پاکستان سمیت ایک سو گیارہ ناوابستہ ممالک نے مغربی ممالک کی نیوکلیائی اجارہ داری کو چیلنج کرتے ہوئے ایک ایسا قرارداد پیش کیا تھی جس میں بین اقوامی کورٹ آف جسٹس سے اس سلسلے میں رائے طلبی کی گئی تھی کہ کیا کسی بھی صورت میں نیوکلیائی اسلحہ کے استعمال کی دھمکی یا اس کا

مقصد میں کوئی کامیابی حاصل نہ ہوسکی کیونکہ اقوام متحدہ میں یہ قرارداد 33 کے مقابلے 77 ووٹوں سے پاس ہوگئی۔ حالانکہ ابھی اس قرارداد کو 184 ممبران پر مشتمل جنرل اسمبلی میں منظوری کے لئے پیش کیا جانا باقی ہے۔ لیکن چونکہ "کمیٹی برائے تخفیف اسلحہ اور بین اقوامی تحفظ" نے اس قرارداد کو پاس کردیا ہے لہذا جنرل اسمبلی کی منظوری محض رسمی حیثیت رکھتی ہے۔

مغرب کی اس اجارہ داری اور امریکہ کی داد گیری کا ہی نتیجہ تھا کہ پاکستان کی جانب سے ماضی

کے تحت پاکستان کا چشمہ پلوٹونیم پلانٹ کا منصوبہ ناکام ہوگیا تھا۔ جس سے سبق حاصل کرتے ہوئے پاکستان نے خود اپنے بل بوتے پر راولپنڈی کے قریب واقع پاکستان انسٹی ٹیوٹ آف نیوکلیر سائنس اینڈ ٹکنالوجی میں چھوٹے پیمانے پر مگر قابل توسیع پلانٹ کا آغاز کیا۔ لیکن اس پلانٹ میں ایک ایسے ری ایکٹر کا فقدان تھا جس کے ذریعے استعمال شدہ ایندھن سے پلوٹونیم حاصل کیا جاسکے۔ لیکن مبصرین کا خیال ہے کہ پاکستان چین کی مدد سے ایسا ری ایکٹر

بقیہ صفحہ 14 پر

مسئلہ کشمیر کے تمام پہلوؤں پر گفتگو کے لئے

اقوام متحدہ کی ثالثی ضروری

گذشتہ دنوں جنیوا میں صحافیوں کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے مسئلہ کشمیر کے حوالے سے پاکستان کے وزیر خارجہ سردار آصف احمد علی نے ہندوستان کے ساتھ باہمی گفتگو کے لئے پاکستان کی رضامندی کا اظہار کرتے ہوئے بتایا کہ ہندوستان اس گفتگو میں ثالث کی حیثیت سے اقوام متحدہ کے مرکزی رول کو قبول کرلے تو پاکستان پاکستانی کشمیر کو آزاد کرنے سمیت مسئلہ کشمیر کے تمام پہلوؤں پر گفتگو کرنے کو راضی ہے۔ احمد علی نے یہ بتایا کہ پاکستان بار بار اس بات پر اصرار کررہا ہے کہ پاکستان اور ہندوستان دونوں ساتھ ساتھ بیٹھ کر اس مسئلہ کو طے کرسکتے ہیں کہ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کی قرارداد کو عملی جامہ پہنانے کے مختلف اور متبادل طریقے کیا ہوسکتے ہیں۔ یہ پوچھے جانے پر کہ کیا سلامتی کونسل کے

قرارداد میں درج ذیل شرط کے مطابق پاکستان پاکستانی کشمیر کے خطے کو آزاد کرنے کو راضی ہے۔ مسٹر احمد علی نے واضح لفظوں میں یہ کہا کہ اقوام متحدہ کی قرارداد کو عملی جامہ پہنانے کے لئے لوازم کے طور پر جو بھی طریقہ کار ہوسکتا ہے پاکستان اسے قبول کرنے کو تیار ہے۔

مسٹر احمد علی نے ایک صحافی کے سوال کا جواب دیتے ہوئے بتایا کہ پاکستان مسئلہ کشمیر پر ہندوستان سے بات چیت کرنے کو ہمہ دم تیار ہے لیکن شرط یہ ہے کہ یہ بات چیت اقوام متحدہ کی قرارداد کی روشنی میں ہو۔ اقوام متحدہ کے متعدد کمیشن اس مسئلے پر کئی تجاویز پیش کرتے رہے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہندوستان کے ساتھ بیٹھ کر ان تجاویز پر غور کریں اور ان میں سے کسی ایسی تجویز کو ہم اختیار کرلیں جو تینوں فریق یعنی ہندوستان، پاکستان اور اقوام متحدہ

سبھوں کو قابل قبول ہو۔ انہوں نے واضح لفظوں میں بتایا کہ اب گیند ہندوستان کے کورٹ میں ہے اور اب ساری ذمہ داری ہندوستان کے سر جاتی ہے۔

پاکستان کے وزیر خارجہ آصف احمد علی کی شرط

جس قدر جلد وہ اقوام متحدہ کی قرارداد اور اس کی ثالثی کو قبول کرلیں گے، ہم باہمی بات چیت کے لئے اسی مستعدی سے تیار ہیں۔

یہ بات ذہن نشین رہے کہ گذشتہ دنوں پاکستانی وزیر خارجہ نے مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے اقوام متحدہ کی قرارداد کو عملی جامہ پہنانے کے لئے چھ متبادل طریقہ کار کی جانب اشارہ کیا تھا جس میں سے تیسرے متبادل

کے طور پر آزاد کشمیر کی تجویز بھی ایک اہم تجویز کے طور پر سامنے آئی تھی۔ پاکستانی وزیر خارجہ کا یہ حالیہ موقف بھی اسی سابقہ موقف کی تجدید ہے۔

یاد رہے کہ 12 اگست 1948 کو سلامتی کونسل کے ذریعہ مقرر کردہ اقوام متحدہ کمیشن برائے ہندو پاک نے پرزور لفظوں میں اپنی ایک قرارداد کے ذریعہ یہ تجویز رکھی تھی کہ جموں اور کشمیر کے مستقبل کی حیثیت کا تعین اس ریاست کے عوام کی خواہش کے مطابق ہی کیا جانا چاہئے۔ یہی سبب ہے کہ اسی وقت سے جموں کشمیر کے عوام اور پاکستان دونوں ہی جانب سے وقتاً فوقتاً کشمیر میں استصواب رائے کرانے اور کشمیری عوام کی اپنی خود مختاری کا فیصلہ خود

کرنے کا حق دیئے جانے کا مطالبہ کرتے رہے ہیں۔ اور تب سے اب تک ہزاروں معصوم جانیں نہ صرف تلف ہوچکی ہیں بلکہ کشمیر میں امن وامان کی فضا کو بھی بد ترین صورت حال سے گزرنا پڑا ہے۔ ریاست میں تمام جمہوری عمل کے خاتمے اور صدر راج کے تحت فوجی آمریت کے قیام سے عوامی زندگی کے مصائب میں جو اضافہ ہوا ہے اس سے ایک عالم آگاہ ہے۔

اس بات سے انکار ممکن نہیں کہ پاکستان کشمیر کے مسئلے کو اپنے اندرونی تنازعات کے لئے سیفٹی والو کے طور پر استعمال کرتا رہا ہے اور بین اقوامی فورم پر کشمیر کے مسئلے کو اٹھا کر ہندوستان سے اپنے پرانے حساب چکانے کا منصوبہ بناتا رہا ہے۔ مگر انسانی حقوق کی پامالی کی جو مثال جموں کشمیر میں دیکھنے کو ملتی ہے اس کا تدارک محض سرکاری تردیدی بیانات سے ممکن نہیں۔ خود اپنے ہی ملک کے باشندوں پر ظلم وجبر کی یہ شکل اور جمہوری وانسانی حقوق کی پامالی کا یہ انداز ہم تمام ہندوستانیوں کے لئے تشویشناک امر ہے۔ کیونکہ دنیا میں سب سے بڑی جمہوریت کا دعوی کرنے والا ہندوستان کیا دیگر ممالک کے لئے خونریز جمہوریت کی مثال قائم کرکے اپنے افتخار کو برقرار رکھ سکے گا؟

لہذا اب وقت آگیا ہے کہ ہندوستان اور پاکستان دونوں ممالک کے حکمراں اپنے اندرونی تنازعات سے عوام کی توجہ ہٹانے اور سیاسی حریفوں کو لگام دینے کے لئے مسئلہ کشمیر کو استعمال کرنے کی چال بازیوں سے دست بردار ہوکر کشمیری عوام کے مصائب کو پیش نظر رکھتے ہوئے گفت وشنید کی ایسی فضا پیدا کریں جس میں مسئلہ کشمیر کا کوئی ایسا پر امن حل نکل کر سامنے آسکے جو کشمیری عوام کے لئے قابل قبول ہو اور جس سے ان کے دکھ درد کا مداوا ہوسکے۔

بے خوف و بے باک صحافت اور جرأت اظہار حق کے لئے

شہید محمد صلاح الدین ہمیشہ یاد رہیں گے

3 دسمبر کی شام فسطائی طاقتوں کے نامعلوم ایجنٹوں نے پاکستان میں حق گوئی کی ایک جیتی جاگتی تصویر محمد صلاح الدین، ایڈیٹر ہفت روزہ تکبیر کو شہید کر دیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ شہر کراچی میں ادھر کچھ سالوں سے فسطائیت اپنے شباب پر ہے۔ مفاد پرست سیاستدانوں نے فسطائی طاقتوں سے مل کر پورے شہر کا امن و امان غارت کر دیا ہے۔ نہ کسی کی جان محفوظ ہے اور نہ کسی کا مال و آبرو۔ کچھ ایسے ہی منحوس ظلمت پسندوں نے 3 دسمبر کو ایک اور شمع صداقت کو گل کر دیا۔ بے رحم قاتلوں اور ان کے کوتاہ بیں سرپرست اپنے تاریک خانوں میں خوش ہوں گے کہ ان کے داغدار چہروں کو بے نقاب کرنے والا قلم ہمیشہ کے لئے توڑ دیا گیا ہے مگر شاید انہیں معلوم نہیں کہ خون شہید نے ایسے بے شمار قلموں کو اظہار حق کی جرآت دے دی ہے۔ جو یا تو اب تک خاموش تھے یا مصالحانہ تحریریں رقم کر رہے تھے۔ تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ کوئی بھی حقیقی انقلاب، جو انسان کو اندر اور باہر دونوں طرف سے بدل دے، خون شہداء کی آبیاری کے بغیر نہ پنپ سکا اور نہ ہی بار آور ہوا۔ کیا عجیب کہ شہید محمد صلاح الدین کا خون بھی پاکستان کی صحافت میں ایک ایسی معتبر انقلابی روایت کا پیش خیمہ ثابت ہو جو ان ساری طاقتوں کے لئے موت کا پیغام بن جائے جن کی بدعنوانیوں کے خلاف مرحوم مدیر تکبیر تادم آخر برسر پیکار رہے۔

شہید محمد صلاح الدین 1935ء میں میرٹھ میں پیدا ہوئے۔ ان کی ابتدائی تعلیم میرٹھ، پیلی بھیت اور احمد آباد میں ہوئی۔ 1948ء میں ہجرت کر کے پاکستان چلے گئے جہاں کراچی میں مستقل سکونت اختیار کی۔ پاکستان میں ابتدائی دس سال بڑے سخت گزرے۔ محنت مزدوری کر کے نہ صرف اپنا پیٹ پالا بلکہ اسی کے ساتھ تعلیم کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ شاید کم لوگوں کو معلوم ہو کہ پاکستانی صحافت کی معتبر آواز جسے تین دسمبر 94 کو ظالم و بے رحم قاتلوں کی گولیوں نے خاموش کر دیا، اپنی موجودہ شخصیت سے قبل ایک موٹر مکینک، ویلڈر، سائکل ساز اور گھڑی ساز کی صورت میں دسیوں برس تک زندگی کے بے رحم مسائل سے نبرد آزما رہی تھی۔ مگر اسی کے ساتھ مرحوم تعلیم کے دلدادہ تھے۔ چنانچہ 1955 میں انہوں نے میٹرک فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا۔ 1958ء میں آپ نے تین امتحانات دیئے۔ سی ٹی میں پہلی پوزیشن حاصل کی جبکہ انٹر اور ادیب عالم کے امتحانات سکنڈ ڈویژن سے پاس کئے۔ 1960 میں بی اے، 1962 میں بی ایڈ اور 1967 میں ایم اے (سیاسیات) کی اسناد حاصل کیں۔

مرحوم صلاح الدین صاحب کی صحافتی زندگی کا آغاز 1964 میں ہوا۔ 1970ء تک وہ حریت سے مختلف حیثیتوں سے وابستہ رہے۔ کچھ عرصے کے لئے جنگ میں بھی سب ایڈیٹر کی حیثیت سے کام کیا۔ 1970ء میں روزنامہ جسارت سے بحیثیت نیوز ایڈیٹر وابستہ ہوئے اور ایک سال بعد ہی اس موقر روزنامے کے مدیر ہو گئے۔ جسارت سے وابستگی کے دوران مرحوم شہید نے بے باکی و حق گوئی کا فریضہ بخوبی ادا کیا۔ وہ بھٹو مرحوم کی "آمرانہ جمہوریت" کے سخت مخالف تھے۔ بھٹو مخالف عوامی اپوزیشن تحریک کے دوران مرحوم کے قلم نے اسکے رہنماؤں اور حامیوں کی کھل کر حمایت کی۔ چنانچہ انتقامی فطرت کے حامل بھٹو نے مارچ 1973 سے جولائی 1977ء تک سات مرتبہ آپ کو جیل بھجوایا۔ مجموعی طور پر حق گوئی کے جرم میں آپ نے سوا دو سال جیل میں گزارے۔ جب 1974ء میں جسارت کو جبراً بند کر دیا گیا تو مرحوم نے اپنی مشہور کتاب "بنیادی حقوق" تصنیف کی جسکی پہلی اشاعت کے وقت وہ جیل میں جرم اظہار حق کی سزا کاٹ رہے تھے۔

مرحوم صلاح الدین صاحب نے 1985ء میں ہفتہ وار تکبیر کا اجراء کیا جو بہت جلد پاکستان اور دوسرے ممالک میں کافی مقبول ہو گیا۔ اس وقت تکبیر پاکستان کا سب سے زیادہ شائع ہونے والا ہفت روزہ ہے۔ اپنے اسی اخبار، جس نے گذشتہ 23 مارچ کو اپنی زندگی کے دس سال مکمل کر لئے تھے۔ کے آفس سے گھر کے لئے مرحوم نے قدم نکالا تھا کہ بے رحم قاتلوں نے انہیں گولیوں سے بھون ڈالا۔

پہلے جسارت اور پھر تکبیر کے مدیر کی حیثیت سے مرحوم صلاح الدین صاحب نے ہمیشہ حق گوئی کا پرچم بلند کیا۔ جو لوگ پچھلے دس سالوں سے تکبیر کا مطالعہ کرتے رہے ہیں وہ گواہی دیں گے کہ اپنے نام کی مناسبت سے یہ رسالہ واقعی باطل قوتوں کے خلاف حق و صداقت کا اعلان تھا۔ "مجھے ہے حکم اذاں" کے تحت مرحوم نے پاکستان اور دنیائے اسلام کے ہر اہم واقعے پر بھرپور ادارتی تجزیے تحریر کئے۔ اسی کے ساتھ مرحوم نے ہمیشہ تحریک پاکستان اور جہاد افغانستان کے خد و خال کو نمایاں کرنے میں اپنے پرچے کے ذریعے بڑا رول ادا کیا۔ وہ دنیا بھر میں پھیلی ہوئی اسلامی تحریکات کے بھی زبردست حامی تھے۔

تحریک پاکستان اور قیام پاکستان کے مقاصد مرحوم کو انتہائی عزیز تھے۔ ان کا نقطہ نظر یہ تھا کہ قائد اعظم کے انتقال کے بعد پاکستان وڈیروں اور زمینداروں کے ہاتھوں میں آگیا جنہوں نے اسے اسکی موجودہ ناگفتہ بہ حالت کو پہنچایا ہے۔ وڈیروں اور زمینداروں کو انہوں نے ہمیشہ اس بات کے لئے ہدف تنقید بنایا کہ خواہ وہ کسی پارٹی سے وابستہ ہوں، ان کا مقصد ہمیشہ صرف یہ رہا ہے کہ اپنے طبقے کے مفادات کی نگہبانی کریں۔ اپنے اس مفاد پرستانہ مقصد کے لئے انہوں نے اکثر مقاصد قیام پاکستان تک کو پس پشت ڈال دیا۔ ان کی اس بے لاگ تنقید کی وجہ سے پاکستان کے وڈیرے اور زمیندار مرحوم کے ہمیشہ مخالف رہے۔

مرحوم صلاح الدین صاحب آمریت اور فسطائیت کے سخت مخالف تھے۔ جب بھٹو صاحب مرحوم نے جمہوریت کی آڑ میں بدترین آمرانہ نظام کی بنیاد ڈالی تو انہوں نے روزنامہ جسارت کے ذریعہ اسکی سخت تنقید کی۔ اسی طرح بے نظیر اور ان کے شوہر کے آمرانہ اقدامات کے بھی وہ بے لاگ ناقد رہے۔

آمریت کی طرح مرحوم کو فسطائیت سے بھی سخت نفرت تھی۔ وہ مہاجر قومی موومنٹ کی غیر جمہوری اور فسطائی سرگرمیوں پر کھل کر تنقید کرتے تھے۔ اس جرآت اظہار حق کی انہیں سزا بھی بھگتنی پڑی۔ ایم کیو ایم کے کارکنوں نے اکثر ان کے اخبار کی کاپیاں جلائیں۔ دفتر میں کام کرنے والوں کو گالیاں اور دھمکیاں دیں۔ ہاکروں اور ایجنٹوں کو ہراساں کرنے کے ساتھ کتنوں کو زدوکوب کیا گیا۔ ثروت جمال اصمعی، تکبیر کے مدیر منتظم کے گھر کا دو بار گھراؤ کیا گیا۔ ایک بار تو یہ گھیرابندی چار روز تک جاری رہی۔ خود تکبیر کے آفس کو ایک بار جلا دیا گیا۔ صلاح الدین صاحب اور ان کے اہل خانہ کو اکثر ٹیلی فون پر گالیاں اور دھمکیاں دی جاتیں۔ مگر ان سب کے باوجود انہوں نے فسطائی قوتوں کے سامنے سرنگوں ہونے سے انکار کر دیا اور صداقت و حق گوئی کا دامن کبھی ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔

مرحوم نے بعض خاص حالات میں بعض سیاسی شخصیات کی حمایت بھی کی جن میں نواز شریف اور ضیاء الحق مرحوم خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ مگر ان کی حمایت بھی اندھی نہیں رہی۔ جہاں کہیں بھی انہوں نے محسوس کیا کہ مذکورہ صدر شخصیات غلط راستے پر پڑ گئی ہیں، تو انہوں نے برملا ان کی تنقید بھی کی۔

مرحوم کی اسلام سے وابستگی کسی بھی شک و شبہے سے بالاتر تھی۔ وہ پاکستان کو ایک صحیح معاشرہ کی صورت میں دیکھنے کے تمنائی تھے۔ مگر وہ یہ دیکھ کر کافی دکھی ہو جاتے کہ پاکستان بدعنوان افسروں اور سیاستدانوں کی لوٹ کھسوٹ کا شکار ہے۔ موجودہ وزیر اعظم بے نظیر بھٹو کے شوہر نامدار جناب آصف زرداری پاکستان میں بدعنوانی اور بدکرداری کی علامت تصور کئے جاتے ہیں۔ بلا خوف و طمع صلاح الدین صاحب نے آنجناب کے سیاہ کارناموں کو تکبیر کے صفحات میں ہمیشہ بے نقاب کیا۔ اسی طرح مختلف افسروں، سیاستدانوں اور اداروں کی بدعنوانیوں پر تکبیر میں بے شمار رپورٹیں شائع ہوئیں جنہیں اگر ترتیب دیا جائے تو پاکستانی سیاست اور بیورو کریسی کے سیاہ کرتوتوں پر ایک مستقل کتاب تیار ہو جائے گی۔

پاکستان میں فوج ایک مضبوط ادارہ تصور کی جاتی ہے جس کی تنقید سے بڑے بڑے سیاستدان گریز کرتے ہیں۔ مگر مرحوم صلاح الدین صاحب نے فوج کی غلطیوں کی نشاندہی اور ان کی غلط پالیسیوں کی بھی کھل کر تنقید کی۔ اس کی سب سے بڑی مثال تکبیر میں شائع کردہ وہ تحقیقاتی رپورٹ ہے جس نے فوج کے سابق سربراہ جنرل اسلم بیگ اور بعض دوسرے سینئر افسروں کو ضیاء الحق مرحوم کے قتل کے سازش میں ملوث قرار دیا ہے۔ اپنی نڈر، بے باک اور بے لاگ صحافت، جرات اظہار حق اور راست بازی کے لئے شہید صلاح الدین صاحب ہمیشہ یاد کئے جائیں گے، پوری امید ہے کہ ان کے جانشین اور پاکستان کے دوسرے صحافی مرحوم کی صحافیانہ دیانتداری اور بے باکی کو قائم و دائم رکھیں گے۔

●●

بے رحم قاتلوں اور ان کے کوتاہ بیں سرپرست اپنے تاریک خانوں میں خوش ہوں گے کہ ان کے داغدار چہروں کو بے نقاب کرنے والا قلم ہمیشہ کے لئے توڑ دیا گیا ہے مگر شاید انہیں معلوم نہیں کہ خون شہید نے ایسے بے شمار قلموں کو اظہار حق کی جرآت دے دی ہے جو یا تو اب تک خاموش تھے یا مصالحانہ تحریریں رقم کر رہے تھے۔

مرحوم کی اسلام سے وابستگی کسی بھی شک و شبہے سے بالاتر تھی۔ وہ پاکستان کو ایک صحیح معاشرہ کی صورت میں دیکھنے کے تمنائی تھے۔ مگر وہ یہ دیکھ کر کافی دکھی ہو جاتے کہ پاکستان بدعنوان افسروں اور سیاستدانوں کی لوٹ کھسوٹ کا شکار ہے۔ مختلف افسروں، سیاستدانوں اور اداروں کی بدعنوانیوں پر تکبیر میں بے شمار رپورٹیں شائع ہوئیں جنہیں اگر ترتیب دیا جائے تو پاکستانی سیاست اور بیورو کریسی کے سیاہ کرتوتوں پر ایک مستقل کتاب تیار ہو جائے گی۔

"ہم قلم کی نوک کو بندوق کی نال سے زیر نہیں ہونے دیں گے"

شہید محمد صلاح الدین

"میں جملہ فسطائی قوتوں پر واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ اس ملک کے صحافی بندوق کی نال کے سامنے خواہ وہ حکومت کے ہاتھوں میں ہو یا کسی فسطائی تنظیم کے ہاتھ میں، سرنگوں نہ ہونے کی بڑی پر عزم روایت رکھتے ہیں۔۔۔۔ ہم ان شاء اللہ تعالیٰ قلم کی نوک کو بندوق کی نال سے زیر نہیں ہونے دیں گے۔ کیونکہ ایک کی برتری پر معاشرے کی زندگی کا انحصار ہے اور دوسرے کی برتری میں اس کی موت کا پیغام پنہاں ہے"

"ہم تو روز کنواں کھود کر پانی پینے والے محنت کش ہیں اور ایسے محنت کشوں کو کسی چیز کے چھن جانے کا غم نہیں ہوتا۔ خوف اور ڈر تو ان لوگوں کے امراض ہوتے ہیں، جو کسی کا قرض اتارنے کے لئے مہلت طلب ہوں یا جنہیں اپنی اولادوں کے لئے بصورت املاک و جائداد لمبی چوڑی میراث چھوڑ جانے کی تمنا ہو۔ تکبیر (ہفتہ وار رسالہ مرحوم تادم آخر جس کے بانی ایڈیٹر تھے) جس کی کبریائی کا اعلان و اظہار ہے، وہی اس کا محافظ و نگہبان ہے۔ تکبیر اور اس کی املاک، جن میں نقد جاں بھی شامل ہے، اللہ کی امانت ہے۔ وہ ہم کو جب تک خدمت کی مہلت دے گا ہم اپنا فرض ادا کرتے رہیں گے۔ جب مہلت عمل خود اسی کے حکم سے ختم ہوگی، تو پھر کوئی دوسرا اسے روک دینے پر قادر نہ ہو سکے گا۔ یہ بات خصوصیت سے ان لوگوں کو ذہن نشین کر لینی چاہیے جو موت اور زندگی کو اپنے قبضہ قدرت میں سمجھنے کی غلط فہمی میں نہ صرف مبتلا ہیں، بلکہ بیزوں کے ذریعہ موت کے حقداروں اور زندگی کا حق پانے والوں کی نشاندہی علی الاعلان کر رہے ہیں"۔

وہ موت کو بھی زندگی ہی کی ایک شکل سمجھتے تھے

شہید محمد صلاح الدین قائد ملی پارلیامنٹ کی نظر میں
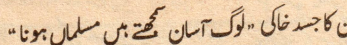
ایک ایسے عہد میں جب سچ بولنے کا رواج ذرا کم کم ہو، جب سچ بولنے، سچ سننے اور سچ کرنے میں اپنا صاف صاف نقصان دکھائی دیتا ہو، ایک ایسے شخص کا مسلسل سچ بولتے رہنا معاشرے کے لئے کیسے قابل قبول ہو سکتا تھا، جہاں سچ کی روایت کمزور

مرحوم کو حق گوئی کی ایسی لت پڑ گئی تھی کہ وہ کسی بھی قیمت پر اس سے دست بردار ہونے کے لئے تیار نہ تھے۔ ان کی اسی لت نے ان کے بے شمار مخالفین پیدا کئے اور اس سے کہیں بڑھ کر احباب اور چاہنے والوں کا بھی ایک حلقہ پوری دنیا میں وجود میں آگیا۔ اپنے بھی ان سے ناراض رہے اور بے گانے بھی۔ ایک مرحلہ وہ بھی آیا کہ خود اسلام کے علمبرداروں نے ان کے رسالے کو فتنہ کہا اور اس کے پڑھنے پڑھانے کی حوصلہ شکنی کی۔ لیکن داد و تحسین اور صلہ کی تمنا سے بے پروا "تکبیر" اپنا کام کرتا رہا۔ بات تو یہ ہے کہ مرحوم مدیر تکبیر نے اپنی بساط بھر اپنے رب کے اعلان کبریائی کا حق ادا کر دیا۔

پڑ گئی ہو۔ رہی اس سچ کی بات کہ "تکبیر" جس کا اظہار تھا تو واقعہ یہ ہے کہ شہید بھائی محمد صلاح الدین کا سچ ہمیشہ اتنا بڑا سچ ہوتا تھا کہ ہما شما کا تو شمار ہی کیا بڑے بڑے اہل تقویٰ کے دل اس سے دہلنے لگتے تھے۔

مجھے یاد ہے کہ جب وہ کوئی تین سال پہلے "ہندوستانی مسلمانوں کے ملک گیر کنونشن" میں شرکت کے لئے میری دعوت پر دہلی تشریف لائے تھے جب بھی وہ کچھ پریشان پریشان سے دکھائی دیتے تھے۔ ان کو بار بار ٹیلی فون پر قتل کی دھمکی مل چکی تھی اور "حق پرست" جیالے کراچی کے مختلف گوشوں میں "تکبیر" کی کاپیاں نذر آتش کر رہے تھے البتہ جو چیز ان کی گفتگو سے بار بار واضح ہوتی تھی وہ سکینۃ القلب کی ایک خاص کیفیت تھی اور انہیں اپنی حق گوئی پر بلا کا اعتماد اور اللہ کی ذات سے نصرت اور حمایت کی بھرپور توقع تھی اور کامل یقین تھا کہ اللہ ان کے کاموں کو ضائع نہیں ہونے دے گا۔

دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی حق گوئی کی لاج رکھ لی۔ ان کی محنتیں بار آور ہوئیں اور وہ ایک ایسے مقام پر سرفراز کئے گئے جو اس دنیا میں کسی انسان کے لئے سب سے بڑی سعادت ہے۔ یعنی حق گوئی کے صلے میں شہادت کی موت۔ گذشتہ چند سالوں میں خاص طور پر جنرل ضیاء الحق کی شہادت کے بعد موت مسلسل شہید بھائی کے سر پر منڈلاتی رہی۔ انہیں معلوم تھا کہ وہ جس انداز کی صحافت کر رہے ہیں اس دنیا میں اس کا بدل پھولوں کی بارش نہیں بلکہ گولیوں کی بوچھار ہی ہو سکتی ہے۔ لیکن انہوں نے اس واضح حقیقت کے باوجود کبھی بھی موت کے خوف سے قلم کو لگام دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

میں نے اس دنیا میں بڑے بڑے علماء و مشائخ کو قریب سے دیکھا ہے۔ روحانی کشف و کرامات والے بزرگوں کی صحبت میں رہنے کا اتفاق ہوا ہے۔ لیکن موت سے نہ ڈرنے کا جو سلیقہ شہید

بھائی کی زندگی میں نظر آیا کچھ ویسا انداز بہت کم دیکھنے کو ملا ہے۔ ورنہ واقعہ یہ ہے کہ بڑے بڑے اہل تقویٰ کو فی زمانہ حق بولنا نصیب نہیں۔

نہ جانے صلاح الدین صاحب کو ایمان کی یہ مقدار کہاں سے ہاتھ آگئی تھی کہ جس نے انہیں دنیا کے آمروں، بندوق برداروں اور فسطائی حکمرانوں کے سامنے بالکل نڈر بنا دیا تھا۔ وہ موت کو بھی زندگی ہی کی ایک شکل سمجھتے تھے اور اس کے استقبال کے لئے ہمیشہ خود کو آمادہ پاتے تھے۔

مرحوم کو حق گوئی کی ایسی "لت" پڑ گئی تھی کہ وہ کسی بھی قیمت پر اس سے دست بردار ہونے کے لئے تیار نہ تھے۔ ان کی اسی لت نے ان کے بے شمار مخالفین پیدا کئے اور اس سے کہیں بڑھ کر احباب اور چاہنے والوں کا بھی ایک حلقہ پوری دنیا میں وجود میں آگیا۔ اپنے بھی ان سے ناراض رہے اور بے گانے بھی۔ ایک مرحلہ وہ بھی آیا کہ خود اسلام کے علمبرداروں نے ان کے رسالے کو فتنہ کہا اور اس کے پڑھنے پڑھانے کی حوصلہ شکنی کی۔

محمد صلاح الدین کا جسد خاکی - "لوگ آسان سمجھے ہیں مسلماں ہونا"

لیکن داد و تحسین اور صلہ کی تمنا سے بے پروا۔ "تکبیر" اپنا کام کرتا رہا۔ بات تو یہ ہے کہ مرحوم مدیر تکبیر نے اپنی بساط بھر اپنے رب کے اعلان کبریائی کا حق ادا کر دیا۔

ابھی چند دنوں پہلے کی بات ہے جب شہید بھائی نے ٹیلی فون پر مجھ سے میری خیریت دریافت کی تھی اور ملی پارلیامنٹ کی پیش قدمیوں کے بارے میں تفصیل سے جاننا چاہا تھا کسے معلوم تھا کہ یہ مختصر سی ٹیلی فونی گفتگو ان سے آخری گفتگو ہوگی۔ وہ ہمیشہ اپنے آپ کو ہندوستانی مسلمانوں کے مسائل سے متعلق محسوس کرتے تھے اور ہندوستانی مسلمانوں کی موجودہ بے بسی پر سخت مضطرب رہا کرتے تھے۔ خود دہلی کے اجلاس میں بھی انہوں نے حق گوئی کی ایک عظیم مثال قائم کی تھی۔ گذشتہ چند سال کی ان کی تحریریں اٹھا کر دیکھئے تو ان میں شہادت کی آہٹ صاف سنائی دیتی ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان سطور کو لکھنے والا اس بات سے خوب آگاہ ہے کہ شہادت اس کا انتظار کر رہی ہے۔ آج نہیں تو کل وہ اس کے حصے میں آئے گی۔ یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ شاید بھائی صلاح الدین اپنی حق گوئی کے عوض شہادت کو اپنا حق سمجھنے لگے تھے اور وہ کسی قیمت پر بھی اس سعادت سے دست بردار ہونے کے لئے تیار نہیں تھے۔

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

ہندوستانی مسلمانوں کی ملی پارلیامنٹ آج شہید بھائی کی جدائی پر مغموم ہے اللہ سے دعا ہے کہ وہ اہالیان تکبیر کو حوصلہ عطا فرمائے کہ ان کے بعد بھی حق گوئی کی روایت قائم رکھ سکیں۔

ڈاکٹر راشد شاذ
قائد ملی پارلیامنٹ

"ہم احتجاج و اعلانات سے مسلمانوں کا لہو تو گرماتے ہیں مگر

ہمارا معاشرہ باہمی اعانت سے خالی ہے"

شہید محمد صلاح الدین

ہندوستان کے مسلمان کبھی بابری مسجد کی حفاظت، کبھی مسلم پرسنل لاء کے تحفظ اور کبھی فسادات پر احتجاج کے لئے تو اپنے بھائیوں کو پکارتے اور اتحاد کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ لیکن ان کے ہاں خدمت اور ایثار کا مثبت پہلو عنقاء ہے۔ ہمیں آج جو دو ماڈل مطلوب ہیں ان میں سے ایک تو صرف آزاد اسلامی ریاستوں تک محدود ہے، یعنی اسلام کے اجتماعی نظام کی تشکیل، لیکن دوسرا ماڈل جو انفرادی یا کمیونٹی کی سطح پر پیش کیا جا سکتا اور معاشرے کو متاثر کر سکتا ہے، یہاں بھی ممکن ہے۔ ہم بد قسمتی سے آزاد ملکوں میں ہوں یا اقلیتوں کی صورت میں، ایک جذباتی اور مشتعل مزاج قوم بن کر رہ گئے ہیں اور اجتماعیت صرف منفی نعروں یا تحریکوں تک محدود ہو

کر رہ گئی ہے۔ سر سید کا علیگڑھ ہو یا مولانا قاسم نانوتوی کا دیوبند، شبلی کا ندوہ ہو یا ڈاکٹر ذاکر حسین کا جامعہ یہ سب مسلمانوں کے اجتماعی مفاد اور ان کے ایثار کا بہترین نمونہ ہیں۔ اب مسلمان مرتے ہیں تو احتجاج تو

سر سید کا علیگڑھ ہو یا مولانا قاسم نانوتوی کا دیوبند، شبلی کا ندوہ ہو یا ڈاکٹر ذاکر حسین کا جامعہ یہ سب مسلمانوں کے اجتماعی مفاد اور ان کے ایثار کا بہترین نمونہ ہیں۔ اب مسلمان مرتے ہیں تو احتجاج تو بہت ہوتا ہے لیکن غریب مسلمانوں، بیواؤں، یتیموں، ناداروں، بے روزگاروں اور زندگی کی بنیادی ضرورتوں سے محروم مسلمان کیا کردار ادا کر رہے ہیں؟ آپ اپنے بھائی کے کام نہیں آسکتے تو دوسرے آپ سے کیا توقع قائم کریں گے؟

بہت ہوتا ہے لیکن غریب مسلمانوں، بیواؤں، یتیموں، ناداروں، بے روزگاروں اور زندگی کی بنیادی ضرورتوں سے محروم مسلمان کیا کردار ادا کر رہے ہیں؟

کو دیکھئے، صہیب رومی، بلال حبشی، ابوذر غفاری اور آپ اپنے بھائی کے کام نہیں آسکتے تو دوسرے آپ سے کیا توقع قائم کریں گے؟ نبی اکرم کے پاس غریب لوگ اور غلام کیوں کھنچ کھنچ کر آتے تھے؟ اصحاب صفہ

سلمان فارسی کو دیکھئے یہ سب اسلام لائے تو رسول خدا کے گھر کے افراد بن گئے۔ جو حضور خود کھاتے، انہیں کھلاتے، جو خود پہنتے انہیں پہناتے، تحائف اور

عطیات آتے تو ان میں تقسیم کر دیتے۔ کھجوریں کم اور افراد زیادہ ہوتے تو آپ انہیں توڑ کر تقسیم فرماتے کسی کو محروم نہ رہنے دیتے۔ اسی حسن سلوک نے غیروں کو بھی متاثر کیا اور اسلام کا دائرہ تیزی سے پھیلا۔ ہم وعظ، تلقین اور احتجاج و اعلانات سے تو مسلمانوں کا لہو بہت گرماتے ہیں اور جذبات کا طوفان اٹھاتے ہیں مگر یہ معاشی دائرہ ایثار اور باہمی مدد و اعانت کے مناظر سے خالی ہے۔ آپ اس میں سرگرمی دکھائیں گے تو باہمی اتحاد بھی پیدا ہوگا، افلاس و محرومی کا کچھ تو ازالہ ہوگا، آپ ایک مثالی کمیونٹی بنیں گے اور آپ کا انفرادی کردار اسی معاشرے میں آپ کے اثرات کا دائرہ وسیع کرتا چلا جائے گا۔

●●

کویت کا اصل دشمن کون؟

صدام حسین یا خالی ہوتا ہوا شاہی خزانہ

صدام حسین نے کویت کی سرحد کے قریب اپنی فوجوں سے بظاہر کویت کے اقتدار اعلیٰ کے لئے تو کوئی خطرہ نہیں پیدا کیا مگر کویت کے لئے مالی مشکلات ضرور پیدا کردیں۔ عراق سے آزادی کے بعد کویت اپنی تعمیر نو پر اب تک تقریباً سو بلین ڈالر خرچ کرچکا ہے۔ اسی طرح آزادی کے بعد پہلی بار عالمی مالی ایجنسیوں سے اس نے جو قرض لئے تھے انہیں اس سال سے مع سود ادا کرنا ہے پہلی قسط 2 بلین اور سات سو ملین ڈالر ہے۔ جیسے یہ سب کافی نہ تھا کہ عراق نے کویتی سرحد سے قریب اپنی فوجیں جمع کرکے اس کے لئے مزید دشواریاں پیدا کردیں۔ اس موہوم "خطرے" کو ٹالنے کے لئے امریکہ نے جو فوجیں بھیجیں اس پر خرچ ہونے والی رقم کا ایک بڑا حصہ کویت کو ادا کرنا ہے۔ ظاہر ہے پہلے ہی سے مالی دشواریوں سے دوچار کویت کے لئے یہ نیا خرچ مزید پریشانیوں کا باعث بنا ہے۔

لیکن کویت نے اپنی تعمیر نو پر ابھی تک جو تقریباً سو بلین ڈالر خرچ کئے ہیں وہ بھی فضول خرچی کے زمرے میں آتے ہیں۔ دراصل کویت نے اپنی تعمیر نو کے بہت سے ٹھیکے اس کی آزادی میں حصہ لینے والے امریکی فوجی افسران یا اس کی مدد کرنے والے سیاستدانوں کی نئی نئی بنائی ہوئی فرموں کو دیئے۔ یہ احسان چکانے کا ایک نرالا انداز تھا۔ چنانچہ اکثر ٹھیکے ضرورت سے زیادہ مہنگے اور کتنے بے ضرورت یا کم از کم ترجیحی نقطہ نظر سے فوری توجہ کے طالب نہ تھے۔ مگر کویت نے یہ سب کچھ محض اپنے امریکی محسنوں کو خوش کرنے کے لئے کیا۔

کویت پر عراق کے حملے سے بلا شبہ اس کی معاشیات کو کافی نقصان پہونچا تھا۔ تیل کے کنویں جلا دیئے گئے تھے۔ مغربی طاقتوں کی مدد حاصل کرنے کے لئے اسے اپنے تقریباً سو بلین ڈالر میں سے 60 سے 65 بلین ڈالر خرچ کرنا پڑا تھا۔ بقیہ جو بچا تھا اس کا بیشتر حصہ تعمیر نو پر خرچ ہوگیا۔ کویت کا پرائیویٹ سیکٹر جو ہمیشہ حکومت کی رعایتی مدد سے کام کرتا تھا۔ اس میں بھی 33 فیصد کی کمی ہوگئی۔ اسی کے ساتھ کویت کو اپنے "نام نہاد دفاع" پر بھی کئی بلین ڈالر خرچ کرنے پڑے ان سب کا نتیجہ یہ نکلا کہ پہلی بار کویت کو گھاٹے پر مبنی بجٹ (DeficitBudget) پیش کرنا پڑا۔

گھاٹے کو پورا کرنے کے لئے کویتی حکومت نے بین الاقوامی بینکوں سے ساڑھے پانچ بلین ڈالر کا قرض لیا۔

چونکہ خلیجی بحران کے دوران کویتی عوام نے اپنے حکمرانوں کے بعض رویوں اور پالیسیوں کو ہدف تنقید بنایا تھا، اس لئے انہیں چپ کرانے کے لئے حکومت نے تعمیر نو کے وقت ان پر کوئی ٹیکس لگانے کے بجائے انہیں پہلی جیسی سہولتیں ہی فراہم کرنے کا پروگرام جاری رکھا۔ چنانچہ اس نام نہاد "قومی تعمیر نو" میں صرف حکومت شریک ہے اور عوام سے کسی، خصوصاً مالی قربانی کا مطالبہ نہیں کیا گیا ہے۔

مگر یہ بات ماننی پڑے گی کہ صدام کی حالیہ حرکت سے قبل، خصوصاً گزشتہ ایک سال میں کویت نے کچھ معاشی ترقی کی تھی کویت نے دوسرے خصوصاً مغربی ملکوں میں جو سرمایہ لگا رکھا ہے، اس سے اس نے 6 بلین ڈالر کا فائدہ کمایا ہے، اسی طرح تیل جس سے کویت کی کل قومی آمدنی کا 90 فیصد حصہ حاصل ہوتا ہے، عراقی حملے سے پہلے والی مقدار میں نکلنے لگا یعنی ایک دن میں دو ملین بیرل۔ ان دو وجوہ سے آزادی کے بعد پہل بار کویتی تجارت کا بیلنس ان کے اپنے حق میں تھا۔

لیکن بجٹ کا خسارہ ابھی تک جاری ہے 1993 میں یہ خسارہ کل ترقیاتی پیداوار کا 19 فیصد تھا۔ MarketEconomy کے ماہرین کے مطابق خسارے کی اصل وجہ حکومت کا رعایتی خرچ ہے۔ وہ یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ اگر موجودہ رجحان 2000ء تک جاری رہا تو یہ خسارہ 19 فیصد سے بڑھ کر پچاس فیصد ہوجائے گا۔ مغربی ماہرین یہ سارے اعداد وشمار دراصل بڑھا چڑھا کر یہاں کرتے ہیں۔ ان کا اصل مقصد کویتی حکومت کو سب سڈی ختم کرنے اور معاشیات کو پرائیویٹ سیکٹر کے حوالے کرنے پر آمادہ کرنا ہے۔ کیونکہ صرف اسی صورت میں وہ کویت کی تیل سے مالامال معاشی ترقی میں سے اپنا فائدہ حاصل کرسکتے ہیں۔

کویتی حکومت جو مغرب کی حمایت سے قائم ہے۔ وہ اپنی معاشیات کو نجی شعبے کے حوالے کرنے کے لئے تیار بھی ہے مزید برآں امیر مغربی ممالک کے زیر اثر ادارے انٹرنیشنل مونیٹری فنڈ اور ورلڈ بینک نے بھی کویت سے کہا کہ وہ اپنی معاشیات نجی شعبے کے حوالے کردے یعنی اسے پرائیویٹ کردے۔ ان کے مشورے کو مانتے ہوئے کویت کی حکومت نے اپنی معاشیات کو نجی شعبے کو دینے کا زبردست پروگرام بھی بنالیا ہے۔ کویتی معاشیات کا ہر سیکٹر یہاں تک کہ تیل بھی پرائیویٹ سیکٹر کو دیئے جانے کا پروگرام ہے۔ اسی طرح لندن میں موجود کویت کی سرمایہ لگانے والی باڈی کویت انویسٹمنٹ اتھارٹی بھی مقامی کمپنیوں میں لگائے گئے اپنے سرمایہ حصص کی صورت میں بیچنا چاہتی ہے۔ کویت کی وزارت اطلاعات کی ذمہ داریاں نبھانے کے لئے پہلے ہی 1992ء میں ایک نئی کویت ٹیلی کمیونیکیشن کمپنی قائم کی گئی تھی جس کے حصص 1995 کے آغاز میں بیچے جائیں گے۔ بجلی اور پانی کے سرکاری شعبوں کا سرمایہ بھی ایک نئی کمپنی کے حوالے کیا جائے گا جس کے حصے بعد میں پبلک کو بیچے جائیں گے۔ کویت پٹرولیم کارپوریشن، جو بشمول کویت آئل ٹینکر کمپنی، سانتا فے کویت فارن ایکسپلوریشن کمپنی اور دوسری بہت سی فائدہ دینے والی کمپنیوں کو کنٹرول کرتی ہے ان کے سرمایے کے پرائیویٹ سیکٹر کو بیچنے کا پروگرام بنا چکی ہے۔ واضح رہے کہ حکومت ان کمپنیوں کو پرائیویٹ سیکٹر کے حوالے اس لئے نہیں کررہی ہے کہ یہ بیمار ہوچکی تھیں اور فائدہ کے بجائے نقصان پہونچا رہی تھیں۔ بلکہ اس کے برعکس یہ سب محض اس لئے کیا جارہا ہے کہ ورلڈ بینک اور مغربی ممالک کے زیر اثر دوسرے مالی ادارے حکومت کویت سے ایسا کرنے کو کہہ رہے ہیں۔

تیل کے کنویں کے پاس کویتی حکمراں اور انسٹ میں صدام حسین

کویتی حکومت کو اپنے یہاں کے عام آدمی کی سرمایہ لگانے کی صلاحیت پر اعتماد نہیں ہے اور کویت میں موجود بڑے پرائیویٹ سیکٹر والوں نے حکومت کی نجی شعبہ کاری کی اسکیم کے بارے میں کسی حوصلہ افزا رجحان کا اظہار نہیں کیا۔ چنانچہ کویتی حکومت اپنی بہت سی فائدہ مند کمپنیوں کے حصے باہری سرمایہ لگانے والوں کو بیچ دینا چاہتی ہے مگر کویت کی پارلیامنٹ، جس میں اپوزیشن کی تعداد زیادہ ہے، حکومت کی اس پالیسی کی زبردست مخالف ہے۔ اپوزیشن کے مطابق باہری سرمایہ کاروں کو کویت میں سرمایہ لگانے کی اجازت دے کر گویا ہم اپنے اوپر خود سے ایک نئے استعماری نظام کو غالب کرلیں گے۔

کویتی پارلیامنٹ حکومت کی معاشی اصلاح کی پالیسی کی شروع سے ہی مخالف رہی ہے کیونکہ وہ کویت کے فلاحی اسٹیٹ ہونے کی حیثیت کو قائم رکھنا چاہتی ہے۔ دوسرے انہیں اندیشہ ہے کہ معاشی اصلاح کی پالیسی بہت سارے کویتیوں کو حکومتی نوکریوں سے بے دخل کردے گی۔ مزید برآں نجی شعبہ کاری کی پالیسی اختیار کرنے کا مطلب ہے کہ حکومتی رعایت سے چلنے والی بہت ساری فلاحی اسکیمیں ختم ہوجائیں گی جس سے کویتی عوام پر بلاوجہ معاشی بوجھ پڑے گا۔ اپوزیشن کا یہ بھی کہنا ہے کہ معاشی بدنظمی اور کرپشن کا بوجھ عوام پر نہیں پڑنا چاہئے۔ اسی طرح اپوزیشن کی کنٹرول والی پارلیامنٹ نے یہ بھی عزم کر رکھا ہے کہ جن حکومتی افسروں نے 1980 کی دہائی میں اور جنگ خلیج کے دوران سرکاری فنڈ کا بہت بڑا حصہ چرا کر اپنے اکاؤنٹ میں جمع کرلیا ہے وہ ان سے واپس لیا جائے گا۔ پارلیامنٹ نے ایک قانون بھی پاس کیا ہے جس کے ذریعہ وہ حکومت کے ذریعہ کی جانے والی سرمایہ کاری کی جانچ پڑتال کرسکے گی۔ ایک دوسرے پاس کئے گئے قانون کے مطابق پارلیامنٹ نے حکومت کو مجبور کیا ہے کہ ہتھیار خریدنے کے لئے جو رقم متعین کی جائے گی وہ بجٹ میں شامل ہوگی۔ اب تک اس رقم کی تعداد خفیہ ہوئی تھی اور اسے بجٹ میں شامل نہیں کیا جاتا تھا۔

اس معاشی صورتحال اور سیاسی پس منظر میں صدام نے امریکہ کو علاقے میں دوبارہ اپنی فوجیں لانے پر مجبور کرکے کویت اور دوسرے خلیجی ممالک کے لئے ایک بڑا مالی مسئلہ پیدا کردیا ہے۔ امریکہ کے مطابق خلیج میں فوجیں لانے کی حالیہ کارروائی پر اندازاً 5 سو ملین ڈالر کا خرچ آیا ہے جس کا آدھا حصہ خلیجی ممالک کو ادا کرنا ہے۔ یہ تو وہ ہے جو معاہدے کے مطابق طے ہے۔ اس کے علاوہ امریکہ اپنا حصہ کویت اور سعودی عرب کی جیب سے ادا کرنا چاہتا ہے جس سے سعودی عرب نے پہلے ہی انکار کردیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اب نزلہ کویت پر گرے گا۔ اسی نئی مالی دشواری سے نبرد آزما ہونے کے لئے کویت وزارتی کمیٹی نے اواخر اکتوبر میں مختلف تجاویز میں اس تجویز پر بھی بحث کیا کہ کویتی اور باہری ملکوں کے ورکروں پر 6 فیصد لیوی (Levy) یا لگان عائد کردی جائے۔ مگر چونکہ ایسی کسی لگان یا ٹیکس سے عوام کے بھڑک جانے کا اندیشہ تھا اس لئے کیبنٹ نے اسے فوراً رد کردیا۔ اس کی جگہ حکومت نے افراد اور کارپوریشنوں پر رضاکارانہ ٹیکس عائد کرنے کی تجویز رکھی ہے جس کا مطلب ہے امیر افراد اور اداروں سے بالواسطہ پیسہ اینٹھنا۔

بجٹ کے خسارے کو پورا کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ حکومت ان بہت سارے دفاعی اخراجات میں کمی کردے یا مغربی ممالک خصوصاً امریکہ و برطانیہ سے بعض وہ ہتھیار نہ خریدے جن پر کئی بلین ڈالر کا خرچ آرہا ہے۔ مگر حکومت ایسا کرنے کی جرأت نہیں کرسکتی کیونکہ اس صورتحال میں وہ ان ممالک کی حمایت سے محروم ہوکر اپنے اقتدار اعلیٰ کے لئے خطرہ پیدا کرسکتی ہے۔

> **کویت نے اپنے محسنوں کو خوش کرنے کے لئے بے شمار ٹھیکے مغربی کمپنیوں کو دے دیے، جن میں سے زیادہ تر غیر ضروری ٹھیکے تھے، جس کی بنا پر اسے زبردست خسارے سے دوچار ہونا پڑا**

سردست حکومت کو عارضی راحت مل گئی ہے کیونکہ روزانہ دو ملین بیرل تیل کے نکلنے اور باہری سرمایہ کاری سے گذشتہ سال 6 بلین ڈالر کے فائدے سے اسے کافی مدد ملی ہے۔ مگر ایک ایسی صورت میں جب حکومت اپنے دفاعی اخراجات کو کم نہیں کرسکتی اور پارلیامنٹ کی مخالفت کی وجہ سے باہری سرمایہ کاروں کی ملک میں سرمایہ لگانے کی اجازت دے سکتی یا عوام کے احتجاج کے خوف سے ان پر ٹیکس نہیں لگا سکتی، اس کے لئے اضافی رقم پیدا کرنا واقعی ایک بڑا مسئلہ ہے۔ مزید رقم یا فنڈ پیدا کرنے کا ایک یہ ذریعہ ہے کہ تیل کی قیمت میں اضافہ کردیا جائے تو یہ بھی ممکن نہیں ہے۔ حکومت کی مزید فنڈ پیدا کرنے کی صلاحیت محدود ہے جس کا مطلب ہے کہ بجٹ میں خسارہ بڑھتا ہی جائے گا۔ سچ کہا ہے کسی نے کہ سردست حکومت کویت کو خطرہ صدام حسین سے نہیں بلکہ بجٹ خسارے سے ہے۔

فلسطینی اور لبنانی سرفروشوں کے جان لیوا حملوں سے خوفزدہ

اسرائیلی فوج کے حوصلے پست ہو گئے

آج کل اسرائیلی عوام اپنی ہی فوج سے کافی ناخوش نظر آتے ہیں۔ اخبارات میں یہ بحث چھڑی ہوئی ہے کہ کیا اسرائیلی فوج کا مورال گر گیا ہے یا کیا اس کی دفاعی صلاحیتوں میں کمزوری در آئی ہے۔

رابن حیرت زدہ ہیں کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟

یہ بحث دراصل فلسطینی اور لبنانی سرفروشوں کے ان حملوں کے بعد شروع ہوئی جنہیں روکنے سے اسرائیلی فوج قاصر رہی اور نتیجہ کے طور پر کئی عام اسرائیلی اور فوجی موت کے گھاٹ اتار دئے گئے۔

حال ہی میں ایک فلسطینی جانباز نے ایک بس کو اڑا کر اسرائیلیوں کو زبردست جانی نقصان پہونچایا تھا۔ اسی طرح غازہ پٹی میں ایک فلسطینی جانباز نے اپنے بدن اور سائیکل سے دھماکہ خیز مادہ لپیٹ کر ایک اسرائیلی چوکی پر حملہ کیا جس سے تین فوجی افسر ہلاک اور کئی دوسرے لوگ زخمی ہو گئے۔ اس واقعے کے بعد فوج کے سربراہ یہود بارک نے جائے حادثہ کا معائنہ کرنے کے بعد کہا کہ اس طرح کے سرفروشانہ حملوں کی روک تھام میں اسرائیلی فوج کچھ کرنے سے قاصر ہے۔ دوسرے فوجی اور سیکورٹی افسروں نے بھی اعتراف کیا کہ ان خودکشی حملوں کا ان کے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔

1980 کی دہائی میں اسرائیلی فوج لبنان میں ایک ایسی ہی صورتحال سے دوچار تھی۔ جہاں قابض فوجیوں کے خلاف شیعہ جانبازوں نے خودکشی حملے کرکے انہیں وہاں سے بھاگنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس وقت خود کو ایسے حملوں سے بچانے کی تدبیر کے طور پر اسرائیل نے ایک نام نہاد سیکورٹی زون قائم کیا جس کی نگرانی ان کی مدد سے ایک عیسائی ملیشیا کرتی ہے۔ عیسائیوں کی یہ کرایہ دار فوج ساؤتھ لبنان آرمی کہلاتی ہے۔ یہود بارک امید کرتے ہیں کہ یاسر عرفات کی فلسطینی پولس سے اب وہی رول ادا کرنے کو کہا جائے گا جو ساؤتھ لبنان آرمی کر رہی ہے تاکہ اسرائیلی فوج اسلامی جہاد اور حماس کے جانبازوں کے حملوں سے محفوظ رہیں۔

یہ محض عرفات مخالف فلسطینی یا دوسرے لوگوں کی خام خیالی نہیں بلکہ ایک حقیقت واقعہ ہے۔ مذکورہ اسرائیلی پالیسی کا ثبوت اس وقت ملا جب غازہ میں ایک فوجی چوکی پر حملہ کے بعد جس میں تین فوجی ہلاک ہو گئے تھے۔ اسرائیل نے عرفات پر دباؤ ڈالا کہ وہ اسرائیل مخالف عناصر کو گرفتار کرکے جیلوں میں بھر دیں یہ دباؤ کسی معمولی اسرائیلی افسر کی طرف سے نہیں بلکہ براہ راست وزیر اعظم رابن کی طرف سے تھا۔ یہی وجہ ہے کہ عرفات کو اسلامی جہاد کے ڈیڑھ سو سے زیادہ سرگرم یا مشتبہ کارکنوں کو گرفتار کرکے جیل بھیجنا پڑا تاکہ رابن کی ناراضگی کچھ کم ہو۔ ایسا ہوا بھی۔ اس واقعہ کے چند روز بعد جب اسحاق رابن کی یاسر عرفات سے ملاقات ہوئی تو اسرائیلی لیڈر نے مزید 10 ہزار فلسطینیوں کو اسرائیل میں کام کرنے کی اجازت دینے کا وعدہ کیا۔ اسی کے ساتھ انہوں نے یہ وعدہ بھی کیا کہ فلسطین میں بہت جلد انتخابات کرائے جائیں گے۔ عرفات کے تئیں اسحاق کے رویے کو ایک اسرائیلی اخبار نویس نے یوں بیان کیا کہ یہ رویہ بالکل ایسا ہی تھا جیسا کہ ایک استاد کا اپنے اس شاگرد کے ساتھ ہوتا ہے جسے وہ اس کی غلطی پر اچھی خاصی ڈانٹ پلا چکا ہو۔

> اسرائیلی فوجی چوکی پر فلسطینی سائیکل سوار کے حملے نے کئی سوالات کھڑے کر دیے ہیں کیوں کہ جس انداز میں یہ حملہ ہوا اور جس طرح اسرائیلی فوجی جان بچا کر پناہ گاہوں میں بھاگ گئے اس نے اسرائیلی عوام کو زبردست بے چینی میں مبتلا کر دیا ہے۔

اسرائیلی فوجی چوکی پر فلسطینی سائیکل سوار کے سرفروشانہ حملے پر ناراض ہونے والے صرف رابن ہی نہیں بلکہ دوسرے وزراء اور افسران بھی تھے۔ یہ واقعہ دراصل ایک یکہ و تنہا یہودی باز آباد کاروں کی نظارم نامی آبادی کے پاس پیش آیا تھا۔ بعض وزراء نے رابن سے کہا کہ وہ کم از کم ایسی یہودی بستیوں کو مقبوضہ علاقوں سے ختم کر دیں۔

اسرائیلی فوج کے لئے انہیں کھدیڑنے کے علاوہ کوئی کام نہیں رہ گیا

بعض نے تو یہ تک کہہ دیا کہ سرے سے تمام یہودی بستیاں، جنہیں اسرائیلی قبضہ کے دوران بسایا گیا ہے، ختم کر دی جائیں۔

سائیکل سوار فلسطینی جانباز کے حملے نے اسرائیلی حکام کے اور عوام کے سامنے کئی مسائل کھڑے کر دیئے ہیں عوام خصوصاً یہ سوال کرنے لگے ہیں کہ کیا اسرائیلی فوج کی دفاعی صلاحیت کمزور پڑ گئی ہے۔ "غازہ حادثہ" کے علاوہ ابھی حال ہی میں

[illegible] بقیہ صفحہ 12 پر

"ہمارے ساتھ دھوکہ کیا گیا ہے"

اسرائیلی پولیس یروشلم کے "خانہ مشرق" میں داخل نہ ہو سکی اور اسحق رابن چراغ پا ہو گئے

اوسلو معاہدے کے مطابق یروشلم کی آخری حیثیت سے متعلق دونوں پارٹیوں کے درمیان گفتگو کم از کم کچھ سالوں کے لئے ملتوی کر دی گئی ہے۔ کیونکہ یہ ایک حساس مسئلہ ہے جس کے تئیں اسرائیلی اور فلسطینی دونوں بہت جذباتی ہیں۔ مگر اس التوا کے باوجود یروشلم اکثر اخبارات کی شاہ سرخیوں میں رہتا ہے۔ مثلاً جب اردن اور اسرائیل نے نام نہاد امن معاہدے پر دستخط کئے تو یروشلم کی اسلامی عبادتگاہوں سے متعلق اردنی شاہ کی خصوصی ذمہ داری سے متعلق شک کو لے کر شاہ حسین اور یاسر عرفات کے درمیان زبردست بحران پیدا ہو گیا تھا۔ کاسابلانکا میں ابھی حال میں جو معاشی کانفرنس ہوئی تھی وہ بھی ایک وقت یروشلم کے مسئلے کو لے کر ختم ہونے کی نوبت تک پہونچ گئی تھی۔ اسی طرح مغربی ایشیا کے اپنے دورے کے دوران جب بل کلنٹن اسرائیل پہونچے اور مشرقی یروشلم کا سفر کرنا چاہا تو اس امر پر ایک سفارتی بحران کھڑا ہو گیا کہ ان کی ہمراہی کون کرے گا، کوئی اسرائیلی افسر یا پی ایل او کا کوئی نمائندہ۔ جیسا کہ معلوم ہے کہ خود کو اس بحران سے بچانے کے لئے کلنٹن نے مشرقی یروشلم کا دورہ منسوخ کر دیا تھا۔

گذشتہ نومبر میں مشرقی یروشلم میں واقع "خانہ مشرق" یا Orient House ایک نئے بحران کا مرکز تھا۔ یہ بحران اس وقت پیدا ہوا جب ترکی کی وزیر اعظم نے اپنے دورہ اسرائیل کے دوران مذکورہ "خانہ مشرق" کا بھی دورہ کیا۔ خانہ مشرق دراصل فلسطینیوں کے سب سے پہلے امن مذاکرات کے وفد کا مرکز ہے۔ ترکی کی وزیر اعظم کے دورے کے پروگرام میں خانہ مشرق کا دورہ شامل نہیں تھا۔ اس لئے اسرائیلی حکام اس پر کافی برہم ہوئے۔ ترکی وزیر اعظم کے ساتھ اسرائیلی پولس نے بھی خانہ مشرق میں داخل ہونے کی کوشش کی مگر وہاں

> ترکی کی وزیر اعظم کے ساتھ اسرائیلی پولس نے بھی خانہ مشرق میں گھسنے کی کوشش کی مگر وہاں موجود گارڈوں نے انہیں روک دیا۔ کیوں کہ ایک معاہدہ کے مطابق اسرائیلی پولس خانہ مشرق میں داخل نہیں ہو سکتی۔ اسرائیلی پولس نے دوسری بار بھی کوشش کی مگر پھر اسے ناکام بنا دیا گیا۔

موجود غیر مسلح گارڈوں نے انہیں ایسا کرنے سے روک دیا، کیونکہ ایک معاہدہ کے مطابق اسرائیلی پولیس خانہ مشرق میں داخل نہیں ہو سکتی۔ چونکہ اس سے مشرقی یروشلم پر "اسرائیلی حاکمیت اعلیٰ" پر آنچ آ رہی تھی اس لئے اسرائیلی پولیس نے صحافیوں کے ساتھ بھی خانہ مشرق میں گھسنے کی سعی کی مگر انہیں ناکام بنا دیا گیا۔

اسحاق رابن نے اس واقعہ سے چراغ پا ہو کر کہا کہ ان کی حکومت کے ساتھ دھوکہ کیا گیا۔ ان کے بقول مشرقی یروشلم کی حیثیت سے متعلق کوئی بھی گفتگو یا تو غازہ پٹی میں یا تو پھر اریحہ میں ہی ہو سکتی ہے۔ مگر فیصل حسینی جن کا آفس خانہ مشرق میں واقع ہے، اسرائیلی نقطہ نظر کی مخالفت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ بین الاقوامی شخصیت سے عمومی امن مذاکرات سے متعلق گفتگو ہوئی ہے نہ کہ غازہ و اریحہ سے متعلق معاہدہ جس کے بارے میں کوئی گفتگو معاہدے کے مطابق انہیں مقامات پر ہو سکتی ہے۔ چنانچہ ترکی کی وزیر اعظم سیلر کے دورے کے بعد خانہ مشرق کا دورہ فرانس کے وزیر صحت کے علاوہ چیک ریپبلک اور جنوبی افریقہ کے سفارتکاروں نے بھی کیا ہے۔

ان دوروں کے بعد اسرائیل کی ہر سیاسی پارٹی نے اخبارات میں بیانات جاری کرکے یہ جتانے کی کوشش کی کہ مشرقی یروشلم پر اسرائیل کا اقتدار اعلیٰ قائم ہے اور ہمیشہ قائم رہے گا۔ اس ضمن میں پارلیامنٹ کے ذریعہ ایک نیا قانون بنانے کی کوشش بھی جاری ہے۔ مگر اسی کے ساتھ "خانہ مشرق" باقاعدہ اپنی سرگرمیوں میں مصروف ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ خانہ مشرق کے باہر اسرائیلی فوجی اور پولیس بھی ہر وقت موجود رہتے ہیں۔ غالباً یہ بتانے کے لئے کہ مشرقی یروشلم انہیں کے قبضہ میں ہے۔

●●

اسلامی اسکارف کے حملے سے حکومت کے ایوانوں میں زلزلہ

فرانسیسی حکمرانوں کو خواب میں بھی "مسلم دہشت گرد" نظر آنے لگے

گرتی ہوئی معاشی حالت اور خصوصاً مسلم ممالک سے متعلق ناکام خارجہ پالیسی وہ دو اہم عوامل ہیں جنہوں نے فرانس کی موجودہ حکومت کو مسلمانوں کے خلاف جارحانہ اور احمقانہ اقدامات کرنے پر ابھارا ہے۔ پہلے اسکول کی بچیوں کے اسکارف میں "مسلم بنیاد پرستی" کا بھوت نظر آیا اور اب وہاں کا ہر مسلمان خصوصاً جو اپنے فرقے کے کاموں میں مصروف ہے، اسلامی دہشت گرد یا ان کا حامی نظر آرہا ہے۔ اور جس طرح تیسری دنیا میں کسی "ناپسندیدہ" نظریے یا طرز فکر و زندگی سے متعلق حکومتوں کے پاس بس ایک پالیسی ہے کہ انہیں کچل دیا جائے، فرانس کی حکومت بھی کچھ ایسے ہی رویے کا اظہار کر رہی ہے۔ چنانچہ نومبر کے دوسرے ہفتے میں فرانسیسی پولس نے پیرس اور دوسرے مقامات پر یک بیک چالیس جگہوں پر چھاپہ مار کر 95 مشتبہ افراد کو گرفتار کر لیا۔ ان لوگوں کے بارے میں حکومت کو یہ شبہ ہے کہ یہ الجزائر کے اس "مسلح اسلامی گروہ" کے حامی ہیں جس نے مغربی ممالک کے باشندوں کے قتل کا کھلم کھلا اعتراف کیا ہے۔

گرفتار کئے گئے لوگوں میں عام شہری کے علاوہ بعض سماجی و مذہبی تنظیموں کے سربراہ بھی ہیں۔ یہ لوگ ڈرگ کے استعمال سے نوجوانوں کو روکنے کے علاوہ عربی زبان سکھانے اور پڑھانے میں مصروف تھے۔ مگر پولس کا الزام ہے کہ اس چھاپے کے دوران اس نے ایک چھاپہ خانہ دریافت کیا ہے جسے غیر قانونی پاسپورٹ اور دوسری مغربی دستاویز بنانے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ اسی طرح پولس نے ایک ایسی جگہ دریافت کرنے کا بھی اعلان کیا ہے جہاں "مسلح اسلامی گروہ" کے زخمیوں کا علاج کیا جاتا تھا۔ مزید پولس نے اپنے دعوے کے مطابق بہت سی کلاشنکوف رائفلیں خود کار ہتھیار گرینیڈ اور دوسرے دھماکہ خیز ہتھیار کافی مقدار میں پکڑے ہیں جسے چوری چھپے الجزائر بھیجا جانا تھا۔ پولس کے مطابق الجزائر میں یہ ہتھیار آخر کار "مسلح اسلامی گروہ" کو دئے جاتے جس نے 21 فرانسیسی شہریوں میں سے اکثر کے قتل کی ذمہ داری قبول کی ہے جو ستمبر 1993 سے اب تک قتل کئے جا چکے ہیں۔

پولس کے اس الزام سے کہ وہاں کے مسلمان ان الجزائری مسلمانوں کے حامی ہیں جنہوں نے فرانسیسی شہریوں کو قتل کیا ہے، ان کے خلاف پہلے ہی سے موجود "فرانسیسی نفرت" میں اضافہ کر دیا ہے۔ صرف انتہاپسندانہ قوم پرستی کے حامی نوجوان ہی نہیں، بعض ذمہ دار افسران بھی مسلمانوں پر کھلم کھلا دہشت گردی کا الزام لگا رہے ہیں۔ پیرس کے ایک سرکاری وکیل پیپرٹک لیلاند برملا کہتے ہیں۔ "دہشت گردی کی ایک نئی قسم سامنے آئی ہے۔ یہ

> پیرس کے ایک سرکاری وکیل پیپرٹک لیلاند برملا کہتے ہیں۔ "دہشت گردی کی ایک نئی قسم سامنے آئی ہے۔ یہ دوسری نسل کے عرب ہیں، دیوالیہ مگر اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد اور دفاع کے لئے کچھ بھی کر گزرنے کو تیار" بعض دوسرے افسران ایسے دوٹوک انداز میں بات نہیں کرتے۔ لیکن کہتے وہ بھی یہی ہیں کہ موجودہ گرفتاریوں سے ان شبہات اور خدشات کی تصدیق ہوتی ہے جن کا اظہار گذشتہ سال فرانسیسی انٹیلی جنس کی ایک رپورٹ میں کیا گیا تھا کہ بعض اسلامی جماعتیں الجزائر میں دہشت گردوں کی حامی ہیں۔

دوسری نسل کے عرب ہیں، دیوالیہ مگر اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد اور دفاع کے لئے کچھ بھی کر گزرنے کو تیار" بعض دوسرے افسران ایسے دوٹوک انداز میں بات نہیں کرتے۔ لیکن کہتے وہ بھی یہی ہیں کہ موجودہ گرفتاریوں سے ان شبہات اور خدشات کی تصدیق ہوتی ہے جن کا اظہار گذشتہ سال فرانسیسی انٹیلی جنس کی ایک رپورٹ میں کیا گیا تھا کہ بعض اسلامی جماعتیں الجزائر میں دہشت گردوں کی حامی ہیں۔

مگر ان گرفتاریوں کے خلاف فرانس کے پانچ ملین مسلمانوں کے لیڈروں نے زبردست احتجاج کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ آئندہ سال ہونے والے صدارتی انتخاب کے پیش نظر موجودہ وزیر اعظم "مسلم مخالف" جذبات کو ہوا دے رہے ہیں۔ ان کا یہ بھی اصرار ہے کہ مسلم تنظیمیں قانونی طور پر سماجی خدمات میں مصروف ہیں۔ نیشنل فیڈریشن آف فرینچ مسلم کے خزانچی اور ترجمان کے مطابق پیرس کے "مضافات میں اسلام سے کوئی خطرہ نہیں ہے بلکہ اگر کوئی خطرہ ہے تو فرانسیسی سماج کے اس حصے سے جو مسلمانوں کو تصادم کی طرف ڈھکیل رہا ہے۔"

مگر فرانسیسی پولس کو اب بھی اصرار ہے کہ کم از کم بعض مسلم تنظیمیں الجزائر کے "مسلح اسلامی گروہ" کی حامی ہیں۔ ثبوت کے طور پر وہ ایک مخصوص محمد صلابی کی مثال پیش کرتے ہیں جسے نومبر میں گرفتار کیا گیا ہے۔ پولس کے مطابق یہ شخص اپنے بھائی کی مدد سے اورلی (Orly) میں فرانسیسی مسلمانوں کی تعلیمی انجمن کے نام سے ایک قرآنی اسکول چلا رہا تھا۔ پولس کا الزام ہے کہ یہیں الجزائری "دہشت گردوں" کے لئے ہتھیار جمع کئے جاتے اور یہیں "مسلح اسلامی گروہ" کے لئے "مجاہد" بھرتی کئے جاتے تھے۔

> اسلام سے متعلق بعض صحافیانہ نوعیت کی کتابوں کے مصنف گلس کیپل کا خیال ہے کہ ڈرگ کی لعنت اور ایسی دوسری برائیوں سے بچنے کے لئے مسلم نوجوان اسلام کی طرف راغب ہو رہے ہیں۔ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ اگر ہزاروں نوجوانوں کو روزگار کے مواقع نہیں فراہم کئے گئے تو فرانس میں اسلامی تحریکوں کی مقبولیت میں مزید اضافہ ہوگا۔

مگر فرانسیسی پولس کے نقادوں کا کہنا ہے کہ پولس یہ بات کافی بڑھا چڑھا کر پیش کر رہی ہے کہ بڑی آسانی سے نوجوانوں کو "مذہبی انتہاپسندی" پر آمادہ کرلیا جاتا ہے۔ ماہرین کے خیال میں اسلامی تنظیموں پر غصہ اتارنے کے بجائے موجودہ حکومت کو چاہئے کہ بے روزگار مسلم نوجوانوں کے لئے روزگار کے مواقع پیدا کرے، کیونکہ انتہاپسندی سے باز رکھنے کا یہ زیادہ موثر طریقہ ہے۔ اسلام سے متعلق بعض صحافیانہ نوعیت کی کتابوں کے مصنف گلس کیپل کا خیال ہے کہ ڈرگ کی لعنت اور ایسی دوسری برائیوں سے بچنے کے لئے مسلم نوجوان اسلام کی طرف راغب ہو رہے ہیں۔ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ اگر ہزاروں نوجوانوں کو روزگار کے مواقع نہیں فراہم کئے گئے تو فرانس میں اسلامی تحریکوں کی مقبولیت میں مزید اضافہ ہوگا۔

کیپل اور دوسرے فرانسیسی دانشوروں کی تنقید کے بعد موجودہ حکومت نے مسلمان نوجوانوں کی بے روزگاری اور دوسرے مسائل کی طرف توجہ ضرور دی ہے مگر خیالی اور "مشتبہ" اسلامی دہشت گردوں کی تلاش اور گرفتاری بھی جاری ہے۔ اصلا ایک ایسی حکومت کے لئے جس کی احمقانہ خارجہ پالیسی کی وجہ سے ہی آج الجزائر موجودہ خونیں حالات سے گزر رہا ہے، یہ ناممکن ہے کہ کوئی ایسا عقلمندانہ اقدام کرے جس سے صورتحال کی اصلاح ہو نہ کہ اس کے مزید بگڑنے کا اندیشہ پیدا ہو۔

مسلم نوجوانوں کو اسلامی ثقافت سے بیزار کرنے کے لئے

مغربی ذرائع ابلاغ کی خطرناک مہم

اس میں شک نہیں کہ سائنس اور ٹیکنولوجی کی بے پناہ اور تیز رفتار ترقی نے مسافتوں کو اس طرح سمیٹ دیا ہے کہ دنیا بظاہر ایک شہر یا ایک گاؤں بن گئی ہے۔ اس ترقی کی ایک اور توسیع شدہ انقلابی شکل ذرائع ابلاغ کے میدان میں حالیہ ایجادات ہیں جنہوں نے شاعر کے اس تخیل کو حقیقت کا [illegible] دے دیا ہے کہ "دل ان کا وہاں دھڑکا آواز یہاں آئی"۔

ذرائع ابلاغ کی نت نئی ترقی سے دنیا کی تمام معاشرتوں نے گہرا اثر قبول کیا ہے اور اس کی مدد سے اپنی ترقی کی راہیں استوار ہوئی ہیں لیکن اس ترقی کا ایک منفی پہلو یہ بھی ہے کہ جس طرح دنیا کی [illegible] کی نعمتوں سے انسانی ہلاکت کا کام لینے والے لوگ بھی پیدا ہوتے رہتے ہیں اسی طرح ترقی یافتہ نظام ابلاغ پر قابض اور اس کی اجارہ دار معاشرتیں اپنے سے کم ترقی یافتہ ممالک کے استحصال پر کمر بستہ ہیں ایک طرف عالم اسلام اپنی مذہبی روایات کے تحفظ کے لئے ہاتھ پیر مار رہا ہے تو دوسری جانب مغربی ذرائع ابلاغ کی یلغار ان کی تہذیب وثقافت کو پوری طرح زہر آلود کرنے کے درپے ہے۔ اس طرح گویا وہ ممالک بھی جو استعمار کے پنجہ استبداد سے نجات حاصل کرکے آزاد ریاست کی حیثیت میں آچکے تھے وہ بھی عملاً ایسی صورت حال سے دوچار ہیں کہ استعمار کا نام تو وہاں نہیں رہ گیا لیکن کسی نہ کسی شکل میں استعماریت کا تسلط باقی ہے۔ ایک نئے انداز سے استعماریت کی یہ واپسی کم ترقی یافتہ ممالک کے لئے بظاہر رحمت لیکن بباطن عذاب ہے کیونکہ ترقی یافتہ اقوام انہیں اس طرح اپنے مفادات کا اسیر بنانا چاہتے ہیں۔ انہوں نے اس راز کو سمجھ لیا کہ تہذیب اور فکری روایت کسی معاشرے کے دو اہم ستون ہیں جسے وہ مسمار کرنے میں ہمہ تن مصروف ہیں اور ان کے سیاسی ومعاشی مسائل میں استعماری مداخلت کے نتیجے میں وہ دن بدن اپنی اسلامی تہذیب وثقافت سے نہ صرف محروم بلکہ اس محرومی کے احساس سے بھی عاری ہوتے جارہے ہیں اسلامی شخصیت کے تمام مظاہر کو دھندلا کرنے کے لئے ایک خاص فضا پیدا کی جارہی ہے۔

سیٹلائٹ ٹی وی کی براہ راست نشریات کے نتیجے میں بیشتر عرب ممالک کی نوجوان نسل پر یہ اثر مرتب ہو رہا ہے کہ تہذیبی اور اجتماعی اعتبارات سے یہ خطرہ پیدا ہو چلا ہے کہ اپنے معاشرے اور تہذیب سے ان کا رہا سہا تعلق بھی منقطع ہونے والا ہے کیونکہ مغربی میڈیا اسلامی ممالک کی تہذیب کی مقامی خصوصیات اور ان کی مذہبی روایات کو مسخ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مغربی نظام ابلاغ کے ہاتھ ایک کلیدی نکتہ یہ آگیا ہے کہ اسلامی ممالک کی نوجوان نسلوں کو مختلف حربوں سے ان کی مذہبی وثقافتی اقدار سے برگشتہ وبیزار کیا جائے کیونکہ اس بیزاریت انگیزی کے پیچھے پوری ایک منطق کار فرما ہے اس کا منتہائے مقصود یہ ہے کہ انسان کو ایک ایسے مشینی وجود میں تبدیل کردیا جائے کہ وہ انفرادیت پسندی کے نام پر سماج اور اس کے تئیں اپنی ذمہ داریوں سے بالکل ترک تعلق کرلے۔ یہی وجہ ہے کہ سائنس اور ٹیکنولوجی اور میڈیا کی ترقی کا رخ تعمیر سے زیادہ تخریب کی طرف ہے۔ آج کی مسلم ثقافت پر مغربی زندگی کے مظاہر اور طرز واسلوب کی پسندیدگی وترجیح کا غلبہ ہے اور اس طرح لوگوں کا خود اپنی اقدار پر سے اعتماد اٹھ چکا ہے اور مغرب کی اجارہ داری کا جادو ان پر پوری طرح چل چکا ہے۔

> سیٹلائٹ ٹی وی کی براہ راست نشریات کے نتیجے میں بیشتر عرب ممالک کی نوجوان نسل پر یہ اثر مرتب ہو رہا ہے کہ تہذیبی اور اجتماعی اعتبارات سے یہ خطرہ پیدا ہو چلا ہے کہ اپنے معاشرے اور تہذیب سے ان کا رہا سہا تعلق بھی منقطع ہونے والا ہے کونکہ مغربی میڈیا اسلامی ممالک کی تہذیب کی مقامی خصوصیات اور ان کی مذہبی روایات کو مسخ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مغربی نظام ابلاغ کے ہاتھ ایک کلیدی نکتہ یہ آگیا ہے کہ اسلامی ممالک کی نوجوان نسلوں کو مختلف حربوں سے ان کی مذہبی وثقافتی اقدار سے برگشتہ وبیزار کیا جائے۔

تہذیبی برگشتگی کے علاوہ ایک تشویشناک پہلو سیاسی برگشتگی کا بھی ہے جس کو مغربی نظام ابلاغ ہوا دے رہا ہے وہ اس طرح کہ ایک ہی موضوع یا مسئلہ پر مختلف خیالات کی بیک وقت اشاعت کی جائے۔ یعنی ایک طرف تو کسی شخصیت پر ملک کی تعریف

باقی صفحہ — پر

الجیریائی حکومت کی نیند حرام

فوج مسلم انقلابیوں سے ہاری ہوئی جنگ لڑ رہی ہے

13 ستمبر 1994 کو اسلامی نجات پارٹی کے دو لیڈر، عباس مدنی اور بالحاج کو الجیریا کے حکمرانوں نے جیل سے رہا کر کے ان کے گھروں میں انہیں بند کر دیا تھا۔ حکومت کا یہ اقدام دراصل اسلامی نجات پارٹی سے گفتگو کی طرف ایک قدم تھا۔ اس کے بعد سے گفتگو کے کئی دور ہوئے بھی مگر اس میں ناکامی ہوئی۔ چنانچہ دونوں مذکورہ رہنماؤں کو دوبارہ جیل بھیج دیا گیا ہے۔ جیل میں دوبارہ جانے سے قبل بالحاج نے ایک خط کے ذریعہ اپنے سرفروشوں سے اپیل کی کہ وہ حکومت کے خلاف اپنے حملوں میں شدت پیدا کر دیں۔ اسی کے ساتھ فوج کے ایک سینئر افسر نے بھی نام نہاد "اسلامی دہشت گردوں" کو ختم کرنے کے عزم کا اعادہ کیا۔ نتیجتاً تشدد میں اور اضافہ ہو گیا۔

الجیریائی وزیر اعظم نے گذشتہ دنوں ملک کی آزادی کی سالگرہ کے موقع پر اپنے ہم وطنوں سے اپیل کی تھی کہ اس موقع پر خوشیاں منانے کے ساتھ غور وفکر بھی کریں۔ لیکن ان کی اپیل کے برعکس 35 ماہ پرانی خانہ جنگی میں مزید تیزی آگئی۔ مزید خوں ریزیاں ہوئیں اور مزید کئی جانیں تلف ہوگئیں۔ اب تک تقریباً تین سالہ خانہ جنگی میں 20 ہزار لوگ مارے جا چکے ہیں۔

یوں تو جنگ کے اصولوں کی خلاف ورزی اور انسانی حقوق کی پامالی دونوں طرف سے ہو رہی ہے مگر حکومت کی افواج نے اس معاملے میں سارے سابقہ ریکارڈ توڑ دیئے ہیں۔ اکتوبر میں شائع کی گئی ایمنسٹی انٹرنیشنل کی ایک رپورٹ میں یہ نوٹ کیا گیا کہ سینکڑوں لوگوں کو کسی عدالت میں صفائی کا موقع دیئے بغیر قتل کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح حراست کے مراکز اور جیلوں میں اذیت رسانی عام ہے۔ پولس اور فوج دونوں انسانی حقوق کے احترام جیسے جذبات سے بالکل عاری ہیں۔

الجیریائی صدر زیرول کے اس اعلان کے بعد تشدد میں مزید تیزی آگئی ہے کہ وہ اسلامی نجات پارٹی سے مذاکرات کو منقطع کر رہے ہیں۔ اسی کے ساتھ انہوں نے یہ اعلان بھی کیا کہ اگلے سال صدارتی انتخاب منعقد کیا جائے گا جس میں عوام کو آزادی سے اپنی رائے دینے کا حق ہوگا۔ ظاہر ہے دنیا کے کم ہی لوگوں کو یقین ہے کہ موجودہ حکومت آزادانہ اور منصفانہ انتخاب کرانے کا کوئی واقعی ارادہ رکھتی ہے۔ اگرچہ صدر نے یہ نہیں کہا کہ کون کون لوگ انتخاب لڑ سکتے ہیں مگر اسلامی نجات پارٹی کے جانبازوں کو مجرم، ملک دشمن اور کرائے کے فوجی کہہ کر انہوں نے یہ اشارہ ضرور دے دیا کہ وہ اپنے مخالفین، خصوصاً بالحاج اور عباس مدنی کو انتخاب لڑنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ انہوں نے یہ الزام بھی لگایا کہ بالحاج اور مدنی نے جنگ بندی سے متعلق ایک تحریری وعدے کی خلاف ورزی کی ہے۔ مگر مذکورہ رہنماؤں کا کہنا ہے کہ انہوں نے جنگ بندی کے لئے کام کرنے کا وعدہ اس شرط پر کیا تھا کہ انہیں زیر حراست رکھنے کے بجائے پوری آزادی دی جائے تاکہ وہ اپنی پارٹی کے دوسرے لیڈروں اور ورکروں سے ملاقات کر سکیں چونکہ فوج کے دباؤ میں صدر ایسا کرنے سے قاصر رہے اس لئے کسی وعدہ خلافی کا الزام بالکل بے بنیاد ہے۔

حکومت اور اسلامی نجات پارٹی کے مابین مذاکرات ختم ہونے کے بعد فوج کے سربراہ جنرل محمد لماری نے کہا کہ "فوج رجعت پسندی اور تاریکی کی ان قوتوں کو ہر قیمت پر ختم کر دے گی جنھوں نے قوم اور اسلام سے غداری کی ہے" مذاکرات کے انقطاع کے بعد لماری کا عہدہ فوج میں بڑھا دیا گیا جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انتہا پسندوں کو فوج میں مزید اہمیت حاصل ہوتی جا رہی ہے۔ لماری فوج کے اس انتہا پسند گروہ کے سربراہ ہیں جو "باغیوں" سے کسی قسم کے مذاکرے یا سمجھوتے کا مخالف ہے۔ وہ "اسلامی بغاوت" کو فوج کی طاقت سے کچلنے میں یقین رکھتے ہیں۔

اکتوبر میں شائع کی گئی ایمنسٹی انٹرنیشنل کی ایک رپورٹ میں یہ نوٹ کیا گیا کہ سینکڑوں لوگوں کو کسی عدالت میں صفائی کا موقع دیئے بغیر قتل کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح حراست کے مراکز اور جیلوں میں اذیت رسانی عام ہے۔ پولس اور فوج دونوں انسانی حقوق کے احترام جیسے جذبات سے بالکل عاری ہیں۔

فوج اور مسلم انقلابیوں میں جھڑپیں تیز ہو گئی ہیں

لیکن گذشتہ 35 ماہ سے جاری جنگ میں فوج بربریت اور تشدد کی انتہا کر دینے کے باوجود "اسلامی باغیوں" کو دبانے میں ناکام رہی ہے۔ ابھی حال ہی میں بی بی سی ٹیلی ویژن کے رفل ریس نے ایک دستاویزی فلم تیار کی ہے جس کے مطابق الجیریائی

بقیہ صفحہ 15 پر

آگ اور پانی کے عذاب نے مصر میں قیامت برپا کر دی

حکومت نے تیل کا ڈپو ہٹا دیا ہوتا تو عوام کو اس عذاب سے بچایا جا سکتا تھا

نومبر کے پہلے عشرے میں مصر کے صوبے اسیوط کے ایک گاؤں درونکا کو قیامت جیسے تجربے سے گزرنا پڑا۔ بارش اور آگ زنی ایک دوسرے کے دشمن ہونے کے باوجود درونکا کے باشندوں پر مشترکہ قہر کی طرح نازل ہوئے اور اپنے پیچھے قیامت کا ایک منظر چھوڑ گئے۔ 22 ہزار آبادی والے گاؤں کے جو قاہرہ سے 340 کلو میٹر جنوب میں واقع ہے، تقریباً 5 سو افراد لقمہ اجل بن گئے۔

40 سالہ محمد محمود فجر کی نماز کے لئے جیسے ہی اپنے گھر سے باہر نکلے انہیں ایک عجیب تجربے سے دو چار ہونا پڑا۔ ایک دن پہلے سے جاری بارش ابھی بھی ہو رہی تھی مگر گھر سے باہر قدم رکھتے ہی محمود کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا وہ بالکل مختلف تھا اچانک پانی کا ایک زبردست ریلا، زوردار آواز کے ساتھ ان پر آن پڑا اور بہا کر گاؤں سے دور کھیتوں میں پھینک دیا۔

چند لمحے ہی گزرے تھے کہ محمود کو ایک دوسرے زبردست حادثے سے دو چار ہونا پڑا۔ اچانک انہوں نے ایک دھماکے کی آواز سنی۔ انہوں نے آگ کے سرخ شعلوں کو آسمان کی طرف بڑھتے دیکھا۔ پھر پانی کا ایک زبردست ریلا گاؤں کی طرف بڑھا جسکے اوپر آگ کے شعلے تھے۔ محمود کے مطابق یہ 20 میٹر اونچی آگ کی ایک لہر تھی۔

چند لمحے ہی گزرے تھے کہ محمود کو ایک دوسرے زبردست حادثے سے دو چار ہونا پڑا۔ اچانک انہوں نے ایک دھماکے کی آواز سنی۔ انہوں نے آگ کے سرخ شعلوں کو آسمان کی طرف بڑھتے دیکھا۔ پھر پانی کا ایک زبردست ریلا گاؤں کی طرف بڑھا جسکے اوپر آگ کے شعلے تھے۔ محمود کے مطابق یہ 20 میٹر اونچی آگ کی ایک لہر تھی۔

آگ اور پانی کی یہ تباہی اتنی شدید اور اچانک واقع ہوئی کہ اسکی راہ میں آنے والے کم ہی لوگ خود کو بچا سکے۔ محمود کا اپنا گھر تباہ ہو گیا۔ ان کے دونوں پڑوسیوں کا پورا خاندان لقمہ اجل بن گیا۔ کچھ لوگوں نے چھتوں پر پناہ لینے کی کوشش کی مگر وہ جل کر راکھ ہو گئے۔ کچھ لوگ اس "نار جہنم" سے بھاگنے میں ضرور کامیاب ہو گئے مگر اپنا سامان اور جانور وغیرہ نہیں بچا سکے۔ دہشت زدہ لوگ مسجد کی طرف بھاگتے ہوئے کلمہ لا الہ الا اللہ کا ورد کر رہے تھے۔ 20 سالہ سید عبد الغنی نے کہا کہ لوگ سمجھ رہے تھے کہ قیامت کا دن آگیا ہے۔ یقیناً یہ کم از کم ایک قیامت صغریٰ تو تھی ہی۔ آگ اور سیلاب نے ہزاروں لوگوں کو بے سہارا کر دیا۔ کتنوں کے گھر اور فصلیں تباہ ہو گئیں۔

دراصل اس گاؤں میں دو روز سے زبردست بارش ہو رہی تھی جو وادیٔ نیل کے علاقے کے لئے خلاف معمول تھی بارش کا جو پانی پہاڑوں میں کہیں جمع تھا وہ اچانک بہہ پڑا اور وادی میں بسے گاؤں پر آن پڑا۔ گاؤں کے پاس ہی ایک ملٹری ڈپو تھا جہاں سے ٹینکروں میں تیل بھرا جاتا تھا۔ پانی کے ریلے کے راستے میں تیل سے بھرا ایک ٹینکر کھڑا تھا۔ پانی کے تیز بہاؤ کی وجہ سے یہ ٹینکر الٹ گیا اور ڈھکن کے اپنی جگہ سے ہٹ جانے سے تیل بہہ کر باہر آگیا۔ اس تیل میں یا تو بجلی کی چمک یا کرنٹ کے تاروں کی چنگاری سے آگ لگ گئی۔ یہ آگ تیل اسٹور کرنے والے "ٹینکوں تک پہونچ گئی جن میں سے ہر ایک میں 5 ٹن تیل جمع کرنے کی صلاحیت تھی۔ ظاہر ہے ان ٹینکوں میں آگ لگنے سے ایک زبردست دھماکہ ہوا۔ 8 کلو میٹر دور اسیوط میں رہنے والے احمد عبد المحسن کے بقول اپنی فوجی خدمت کے لمبے عرصے میں اتنا زبردست دھماکہ انہوں نے کبھی نہیں سنا۔

درونکا گاؤں میں لوگوں کے سینوں تک پانی بھر گیا جس سے گھر گر گئے، کاریں اور ٹرک بہہ گئے اور قریب میں واقع قبطی عیسائیوں کے قبرستان سے لاشیں نکل کر سڑکوں پر آپڑیں۔ بارش بند ہونے کے بعد راحت رسانی کا کام شروع ہوا تو راحت کاروں کو ایک دوسری مصیبت کا سامنا کرنا پڑا۔ سیلاب کا پانی تیل بہا کر گاؤں کے مختلف حصوں میں چھوڑ گیا تھا جسکی وجہ سے وقفے وقفے سے دھماکے ہوتے رہے۔ حادثے کے شکار بہت سے لوگ کیچڑ کے اندر دب گئے اور کچھ اسقدر جل گئے کہ ان کا پہچانتا مشکل ہو گیا۔ جو مرے نہیں وہ جھلس کر کالے ہو گئے۔ 70 سالہ حسین احمد خوش قسمت تھے

کہ پانی کا بہاؤ یا ریلا انہیں کھیتوں میں بہا لے گیا۔ مگر ان کے خاندان کے بقیہ آٹھ افراد جاں بحق ہو گئے۔ بوڑھے حسین احمد کو یہ تک نہیں معلوم کہ ان کے اہل خانہ یا ان کی لاشیں کہاں ہیں۔

سیلاب کی وجہ سے فائر بریگیڈ کی گاڑیاں تین گھنٹہ دیر سے پہنچی مگر ارباب اقتدار کو جیسے ہی اس زبردست تباہی کا علم ہوا وہ فوراً حرکت میں آگئے۔ 1992 میں جب ایک زلزلے سے 5 سو سے زائد افراد ہلاک ہو گئے تھے تو حکومت مصر سے کہیں زیادہ ریلیف ورک وہاں کے اسلام پسندوں نے کیا تھا۔ اس بار مصری حکومت ایسی کسی بھی شرمندگی سے بچنا چاہتی تھی۔ چنانچہ حکومت نے 24 گھنٹے کے اندر ہی پناہ گزینوں کے لئے ٹینٹ، بستر اور کھانے کا انتظام کر دیا۔ وزیر اعظم عاطف صدقی نے المیے کے ایک روز بعد تباہ شدہ گاؤں کا دورہ کیا۔ ہر مظلوم خاندان کو ان کے مطالبے پر ایک سو پچاس ڈالر کی امداد کی منظوری دی۔ مگر حسنی مبارک نے جب اس علاقے کا دورہ کیا تو اس گاؤں کے باشندوں سے ملے بغیر ہی چلے آئے۔ جس سے لوگوں میں کافی ناراضگی پیدا ہوئی۔ یوں بھی لوگ پہلے ہی سے حکومت کے ناقد تھے۔ کیوں کہ حکومت طویل مدت سے ان کے اس مطالبے کو قبول کرنے سے انکار کرتی رہی ہے کہ گاؤں سے ذرا دوری پر واقع ملٹری گاڑیوں کو تیل فراہم کرنے والا ڈپو وہاں سے ہٹا لیا جائے۔ گاؤں والے مسلسل کہہ رہے تھے کہ یہ ڈپو ان کے لئے کافی خطرناک ہے۔ محسن نامی ایک تاجر کے بقول یہ ہمیشہ سے ایک ٹائم بم کی طرح تھا جو کسی وقت بھی پھٹ سکتا تھا مگر حکومت نے توجہ دلانے کے باوجود اسے ناکارہ بنانے کی کوشش نہیں کی۔ 5 سو افراد کی موت کے بعد اب شاید حکومت کی آنکھیں کھل جائیں۔

کشمیر کے مسئلہ پر خاموشی اختیار کرے

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے نام ملی پ

گزشتہ دنوں دہلی میں مسلم پرسنل لا بورڈ کا جو اجلاس منعقد ہوا تھا اس سے امت نے جرأت مندانہ فیصلوں کی بہت سی توقعات وابستہ کر رکھی تھیں۔ بالخصوص ندوہ کے مسئلہ پر بورڈ کے ذمہ داروں کے بیانات کی روشنی میں کچھ ایسا لگ رہا تھا کہ گویا خوابیدہ قیادت اب بیدار ہونے کو ہے لیکن افسوس کہ بورڈ کا یہ اجلاس بھی روایتی طرز کی مذہبی قرارداد سے آگے نہ بڑھ سکا۔

ملی پارلیمانٹ نے اس خصوصی اجلاس کے لئے ایک مجوزہ ایجنڈا تجویز کیا تھا اور اجلاس کے دوران اس کے ذمہ داروں کو اس غرض سے ارسال کیا تھا کہ ان پر سنجیدگی اور خلوص کے ساتھ غور وفکر کیا جائے لیکن اس یاد دہانی کے باوجود امت کے پریشان کن مسائل پر بورڈ اپنا کوئی نقطہ نظر واضح کرنے پر آمادہ نہ ہوا۔ ہم افادہ عام کی غرض سے اس مسودے کو شائع کر رہے ہیں۔ اللہ ہمارے حال پر رحم فرمائے۔ آمین (ایڈیٹر)

لال قلعہ کے سقوط کے علاوہ دہلی کی سرزمین نے مسلمانوں کی شدید بے بسی کا یہ منظر کم ہی دیکھا ہوگا جب انتہائی بے کسی، شدید ضعف اور حد درجہ خوف وہراس کی کیفیت میں مسلم عمائدین کا سب سے معتبر ادارہ ہندوستانی مسلمانوں کی بے بسی کے تدارک کے لئے اپنا خصوصی اجلاس کر رہا ہے بالخصوص ایک ایسی صورت حال میں جب بابری مسجد کے مسئلہ پر عدالت عالیہ سے انصاف کی توقع کے خاتمے کو ابھی چند ہی دن گزرے ہوں جب مسلمانوں پر ہو رہے پے در پے مظالم نے شدت اختیار کر لی ہو، جب ملک بھر میں مسلمانوں کا مورال پست کرنے کے لئے حکومت نے مختلف ناموں سے اپنی کارروائیاں تیز کر دی ہوں اور جب ہر ہندوستانی مسلمان کو داؤد ابراہیم اور آئی ایس آئی کا ایجنٹ باور کرانے کی کوشش کی جا رہی ہو، ایسی صورت میں مسلم عمائدین کے اس خلیے پر ایک بڑی ذمہ داری عائد ہو جاتی ہے۔

بے بسی کی ایک ایسی فضا میں جب امت کے بڑے بوڑھوں پر خوف کا ماحول طاری ہے اور اس شدید احساس کے باوجود کہ وہ ظلم وجبر کے شدید شکنجے میں کس دیئے گئے ہیں۔ کرنے کا سب سے پہلا کام تو یہ ہے کہ خوف کے ان اسباب کا پتہ لگایا جائے جس نے اس امت پر موت کی کیفیت طاری کر دی ہے۔ آخر یہ کیسے ممکن ہوا کہ جو سرزمین کل تک ہماری اذانوں سے گونجتی تھی اور جہاں کل تک ہمارے اخلاقی وایمانی رعب کا یہ عالم تھا کہ قلت تعداد کے باوجود دہلی کی سرزمین ہمارے جاہ وحشم کی علامت سمجھی جاتی تھی آج اسی سرزمین پر ہم من حیث القوم زندگی کا چراغ گل ہونے کے خطرے سے دوچار ہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فکر ونظر کا یہ زوال آخر کیوں کر ہوا آخر اس صورت حال کے لئے ذمہ دار کون ہے؟ یہ سچ ہے کہ آج پوری دنیا میں امت مسلمہ نازک ترین دور سے گزر رہی ہے ہر جگہ ہمارا خون ارزاں اور ہماری تلواریں کند ہیں۔ یہ بھی سچ ہے کہ کفر کی بین الاقوامی طاقتیں سوویت یونین کے خاتمے کے بعد اب اپنی آخری لڑائی اسلام سے لڑنا چاہتی ہیں۔ اور یہ بھی سچ ہے کہ اس وقت ملکی اور بین الاقوامی ہر دو سطح پر اہل اسلام کے خلاف کفر کا اجتماع ہو رہا ہے۔ لیکن محض دوسروں کو مورد الزام ٹھہرا کر ہمارا بری ہو جانا بھی ممکن نہیں۔ میرے خیال میں آج ہم جس صورت حال سے دوچار ہیں اس کی ذمہ داری بڑی حد تک خود ہمارے اوپر، ہمارے اہل فکر، دانشوروں اور علماء پر عائد ہوتی ہے۔ ضرورت ہے کہ امت کو نئی سمت دینے سے پہلے ہم ان لغزشوں کا بھی پتہ لگائیں جواب تک ہم سے ہوتی رہی ہیں۔

> سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فکر ونظر کا یہ زوال آخر کیوں کر پیدا ہوا آخر اس صورت حال کے لئے ذمہ دار کون ہے؟ یہ سچ ہے کہ آج پوری دنیا میں امت مسلمہ نازک ترین دور سے گزر رہی ہے ہر جگہ ہمارا خون ارزاں اور ہماری تلواریں کند ہیں۔ میرے خیال میں آج ہم جس صورت حال سے دوچار ہیں اس کی ذمہ داری بڑی حد تک خود ہمارے اوپر ہمارے اہل فکر، دانشوروں اور علماء پر عائد ہوتی ہے۔ ضرورت ہے کہ امت کو نئی سمت دینے سے پہلے ہم ان لغزشوں کا بھی پتہ لگائیں جواب تک ہم سے ہوتی رہی ہیں۔

مسلمانوں کو شدید احساس بے بسی سے دوچار کرنے کا یہ عمل یقیناً اس ملک میں نیا نہیں ہے البتہ انہدام کے بعد اس مکروہ عمل کو عملی طور پر ریاستی پالیسی کا درجہ حاصل ہو گیا ہے۔ ہم نے 11 جولائی 94ء کے مکتوب میں آپ حضرات کی توجہ اس جانب دلائی تھی کہ ٹاڈا میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کی گرفتاری کے بعد اب حکومت نے آئی ایس آئی کے حوالے سے ایک نئی مسلم کش مہم کا آغاز کر دیا ہے۔ ہم نے حیدرآباد کی مساجد میں ہونے والی پولیس مداخلت، ائمہ کرام کی رہائش گاہوں پر چھاپے / مسجد کے منتظمین سے پوچھ گچھ اور اس قسم کی ناروا مداخلت کا حوالہ دیتے ہوئے آپ حضرات سے عرض کیا تھا کہ مسلمانوں کو مطعون کرنے کے اس نئے سیاسی جواز کا فوری تدارک کیا جانا ضروری ہے۔ ہم نے یہ بھی کہا تھا کہ اگر اس مسئلے کا فوری نوٹس نہ لیا گیا تو حکومت کو کھلی چھوٹ مل جائے گی کہ وہ ہمارے درمیان حوصلہ مند نوجوانوں کو جب چاہے آئی ایس آئی کے حوالے سے گرفتار کر لے۔ ان کو زدوکوب کر کے ہڈیاں توڑ دے اور غیر معینہ مدت تک کے لئے سرکاری عقوبت خانوں میں ڈال دے۔ لیکن تب بھی ہماری بات کو شدت احساس کا نام دے کر لائق اعتناء نہ سمجھا گیا اور نہ ہی اس سلسلے میں کسی موثر مشترکہ اسٹریٹجی کی بات کسی کی سمجھ میں آئی۔ اگر بعض گروہوں میں اس صورت حال کی شدت کا احساس بھی ہوا تو انہوں نے اپنے الگ الگ جلسے اور میٹنگیں کر ڈالیں، حکومت کو قرار داد بھیج دی اور بس۔ مشترکہ اور موثر اسٹریٹجی کے لئے ہم جب بھی تیار نہ ہوئے۔ کاش کہ ہم لوگ اپنی ناکوں سے آگے دیکھ پاتے اور کم از کم ان مسائل پر جو امت کے لئے زندگی اور موت کی حیثیت رکھتے ہیں ایک جگہ بیٹھ کر ایک انقلابی عملی پروگرام تشکیل دے سکتے۔

مسلمانوں کو ہراساں کرنے اور مسلم نوجوانوں کو ٹاڈا میں بند کرنے کا یہ عمل مسلسل جاری رہا۔ شاید ہی کوئی دن ایسا گزرا ہو جب کسی مسلمان کو ٹاڈا میں بند کرنے کی خبر نہ آئی ہو۔ اس دوران نہ جانے ملک کے کن کن حصوں میں کس کس نوعیت کا ظلم ہوتا رہا تب بھی ہم خاموش رہے۔ البتہ آج جب اس آگ کی لپٹیں ہمارے دروازے تک آ پہنچی ہیں تو ہم اچانک بیدار ہو گئے ہیں۔ دیر سے سہی یہ بیداری بذات خود ایک خوش آئند علامت ہے۔ خدا کرے ہماری یہ بیداری ایک نئے مستقبل کا اعلامیہ بن سکے البتہ ماضی کی روش کو ذہن میں رکھتے ہوئے ہمیں اس بات کا شدید خدشہ ہے کہ شاید ہماری یہ بیداری زیادہ دنوں تک برقرار نہ رہ سکے۔

یاد رکھئے اگر ہمارے اندر ظلم کے خلاف بولنے کا یارا نہ رہا اور اگر ہمارے درمیان ایسے لوگ مفقود ہو گئے جو کسی لاگ ولپیٹ کے بغیر ظلم کے خلاف کلمہ حق بلند کر سکیں تو پھر اس سرکش نظام کو لگام دینا تو کجا اس امت کے لئے انبیائی پیغام کا محفوظ رکھنا بھی مشکل ہو جائے گا۔ آج جب ہم اپنی بے بسی کے ازالے کے لئے بیٹھے ہیں تو ہمیں چاہئے کہ بعض مسائل پر ہمارے دل ودماغ صاف ہوں اور ہم وہی کہیں جس پر ہمارے ضمیر وقلب مطمئن ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بھی آپ کے پیش نظر رہے "احفظ اللہ یحفظک یا غلام" یعنی اگر آپ نے اللہ کے پیغام کو بغیر کسی خوف کے لوگوں تک پہنچا دیا، حق گوئی اگر آپ کا شعار رہی تو پھر آپ کی حفاظت کا اللہ تعالی خود اپنے ذمہ لے لیتا ہے۔ لیکن اس کے برعکس اگر آپ کے دل میں کبھی بھی بھولے بھٹکے بھی یہ خیال آتا ہے کہ کسی وزیر کے سامنے عرضی گزارنے اور اس سے رحم کی درخواست کرنے سے آپ کے اوپر مظالم کا سلسلہ کم ہو جائے گا تو دراصل آپ خیانت کا ارتکاب کرتے ہیں اور خود کو اللہ کی حفاظت سے نکال کر شیاطین کی حفاظت میں ڈال دیتے ہیں جو بہر طور آپ کا کھلا دشمن ہے۔ اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن نے بار بار تنبیہ کی ہے کہ آپ اپنے مددگار اور ساتھی کفار اور مشرکین اور فاسقین میں سے تلاش نہ کریں۔

امت کے عمائدین کا بار بار وزیر اعظم کے دفتر تک اس امید کے ساتھ جانا کہ اس کی نگاہ التفات ہمارے ملی وقومی مسائل حل کر دے گی یا اپنی ملی تقاریب جلسوں اور اجتماعات میں فاسق وزراء کو اس امید کے ساتھ بلانا کہ آپ سے ان کی وابستگی آپ کا کام بنا دے گی تو یہ بھی دراصل اسی رویے کا اظہار ہے جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن سختی سے کہتا ہے۔ ولو کانوا یومنون باللہ والنبی وما انزل الیہ ما اتخذوھم اولیاء ولکن کثیرا منہم فسقون (مائدہ آیت 81) یہ بات اس وقت اور بھی سنگین ہو جاتی ہے جب آپ کو اس بات کا خوب خوب احساس ہو کہ جن وزراء سے آپ بار بار ملنے جا رہے ہیں اور جن کی نگاہ التفات کو آپ امت کے لئے مفید سمجھتے ہیں دراصل وہی اصل مجرم ہیں اور ان پے در پے سازشوں کے نتیجے میں ہی امت آج موجودہ صورتحال سے دوچار ہے۔ پھر ان سے انصاف اور رحم کی توقع کر کے آپ آخر کس کو بیوقوف بناتے ہیں؟ کیا ان وزراء کی کوٹھیوں سے لوٹتے ہوئے کبھی آپ کے دل کے کسی گوشے میں بھی یہ بات آئی کہ امت کے تئیں آپ نے اپنی ذمہ داری ادا کر ڈالی۔ پھر اس امت کے عمائدین آخر کیوں امت کی تذلیل وتضحیک کا یہ ڈرامہ بار بار رچانے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں؟ خدا کی آخری کتاب اور آخری رسول کی انقلابی سنت کی موجودگی کے باوجود آخر ہمارے اندر یہ داعیہ کیوں

نہیں بیدار ہوتا کہ ہم اس…
لئے ایک انقلابی لائحہ عم…
میں حالیہ پولیس ایکشن…
کے سب سے معتبر اور مح…

یہ تھی کہ ہم اس مسئلہ کو…
تک لے جائیں گے۔ جس…
یقیناً پیدا ہوجاتی ہے کہ…
اعلی مناصب پر بیٹھے ہو…

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

> گذشتہ نصف صدی سے پوری امت کنفیوزن کا شکار ہو رہی ہے۔ اگر ایک طرف دستور ہند ملک کے کارواں کی منزل… دوسری طرف قرآن کی حامل امت کے لئے انصاف پر مبنی ایک ایسے معاشرے کے قیام کا ہدف پہلے سے موجود ہے… سے موثر گروپ بھی سر مو انحراف کی جرأت نہیں کر سکتا لازم ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کو اس ملک کا مکمل نظریاتی… ایسے روحانی معاشرے کے قیام میں رکاوٹ بن سکتی ہیں۔ بالفاظ دیگر ان اقدامات کا تعین کیا جائے جن…

اس شمارے کی قیمت: تین روپے
سالانہ چندہ ایک سو پچاس روپے / تیس امریکی ڈالر
یکے از مطبوعات
مسلم میڈیا ٹرسٹ
پرنٹر، پبلیشر، ایڈیٹر محمد احمد سعید نے
الفا آفسیٹ پریس سے چھپوا کر
دفتر ملی ٹائمز، 49 ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر،
نئی دہلی۔ 110025 سے شائع کیا۔
فون: 6827018

رکے ہم نے مداہنت کا ارتکاب کیا ہے

ملی پارلیامنٹ کا مجوزہ ایجنڈا

ن علی ندوی

نہیں بیدار ہوتا کہ ہم اس ملک میں مسلمانوں کے لئے ایک انقلابی لائحہ عمل وضع کریں۔ ندوہ العلماء میں حالیہ پولیس ایکشن کے بعد ہندوستانی مسلمانوں کے سب سے معتبر اور محترم عالم نے جو بات کہی وہ

ک کے کارواں کی منزل کا تعین سیکولر اور یونیفارم سول کوڈ والے معاشرے کی طرف کرتا ہے تو پہلے سے موجود ہے جس سے امت کا بڑے سے بڑا عالم اور محترم سے محترم شخصیت یا موثر ملک کا مکمل نظریاتی شہری بننے کے لئے دستور میں حائل ان رکاوٹوں کو دور کیا جائے جو ایک کا تعین کیا جائے جن سے قرآنی اور دستوری نصب العین کا ٹکراؤ ختم ہو سکتا ہو۔

یہ تھی کہ ہم اس مسئلہ کو وزیر اعظم اور صدر جمہوریہ تک لے جائیں گے۔ جس سے کم از کم یہ غلط فہمی تو یقینا پیدا ہو جاتی ہے کہ شاید حکومت کے ان دو اعلیٰ مناصب پر بیٹھے ہوئے لوگوں سے انصاف ملنے

لی توقع اب بھی باقی ہے۔ کاش کہ ہم موسیٰ کی طرح یہ کہہ سکتے "افوض امری الی اللہ" ہم میں سے بعض لوگوں کو شاید وہ یادگار واقعہ معلوم ہو کہ جب مسز گاندھی نے دیوبند کے صد سالہ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ "میں اس ملک میں مسلمانوں کی حفاظت کروں گی" تو اس موقع پر اسی محترم عالم دین نے ببانگ دہل یہ اعلان کیا تھا کہ اس ملک میں مسلمانوں کی حفاظت کے لئے اللہ کافی ہے۔ اے کاش کہ یہی رویہ آج ہماری ملی قیادت کا شعار بن جاتا۔

آج جب انتہائی حساس ماحول میں پرسنل لاء بورڈ کی یہ نشست جاری ہے لازم آتا ہے کہ ہم بعض ان مسائل پر اپنا موقف واضح کریں جن پر کسی وجہ سے ہم نے اب تک مجرمانہ خاموشی اختیار کر رکھی ہے جن میں کشمیر کا مسئلہ ترجیحی اہمیت کا حامل ہے۔ آپ کو خوب معلوم ہے کہ گزشتہ چار برسوں سے کشمیر میں فوج کشی کا سلسلہ جاری ہے۔ ملکی اور بین الاقوامی پریس کو اگر یکساں معتبر ٹھہرایا جائے تو کشمیر میں روزانہ مارے جانے والے مسلم نوجوانوں کی تعداد اوسطاً پچیس ہے۔ پھر آئے دن پولیس کی وحشیانہ بربریت کے درد ناک واقعات بھی ملکی و بین اقوامی پریس میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ اس حقیقت سے بھی شاید انکار ممکن نہیں کہ بوسنیا کے بعد مسلم خواتین کی آبروریزی کے واقعات اتنے بڑے پیمانے پر اگر فی زمانہ کہیں پیش آرہے ہیں تو وہ کشمیر کی وادی ہی ہے۔ دہشت گرد کے نام پر کسی بھی کشمیری نوجوان کی زندگی کا چراغ گل کر دینا ہندوستانی پولیس کے لئے آج ایک معمول کی بات ہے۔ ذرا غور کیجئے اتنے بڑے پیمانے پر مسلمانوں کی جان و مال کے اتلاف کے باوجود ہم اب تک خاموش کیوں ہیں؟ جو مسلمانوں کے ملی ادارے ندوہ العلماء پر پولیس ایکشن کے خلاف اس قدر حساس ہیں آخر وہ کشمیری مسلمانوں پر ہو رہے سخت ترین مظالم کے خلاف کیوں نہیں اٹھ کھڑے ہوتے؟ یہ سچ ہے کہ کشمیر کی سیاست پاکستانی مداخلت کی وجہ سے پیچیدہ ہو گئی ہے۔ اور اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کہ کشمیر کا مسئلہ کشمیریوں کا ہے لیکن کشمیری مسلمانوں پر ہو رہے مظالم کے خلاف آواز اٹھانے سے ہمیں کس نے روکا ہے؟ اگر ہم مسلم اخوت کے عالمگیر تصور کے حامل ہیں اور امت

مسلمہ کو ایک جسد واحد کی طرح گردانتے ہیں تو کشمیری مسلمانوں کے مصائب کا احساس بھی ہمیں فطری طور پر ہونا چاہئے تھا۔ اس سے آنکھیں بند کر کے ہم نے مداہنت کا ارتکاب کیا۔ ہمیں اس سلسلے میں اپنے رب سے معافی مانگنی چاہئے۔

ہندوستان کی تاریخ میں شاید کوئی اور ایسا واقعہ نہ ملے جب محض مصالح کے پیش نظر امت کے قائدین نے اپنی زبانیں بند رکھی ہوں۔ حتیٰ کہ جن صریح مظالم پر قومی اخبارات مسلسل چیختے رہے ہیں ہندو دانشور مسلسل آواز بلند کرتے رہے ہیں اور انسانی حقوق کی تنظیمیں احتجاج کرتی رہی ہیں ان انسانیت سوز مظالم پر بھی ہمارے اکابرین کی زبانیں گنگ رہی ہیں یہاں تک کہ اب جب کشمیر کی آگ ان اداروں تک پہنچنے لگی ہے اور جب پوری امت مسلمہ کے لئے مسلسل چار سال سے اس مسئلہ سے خود کو الگ رکھنے کی ہماری مسلسل کوشش کے باوجود عملی طور پر الگ رکھنا مشکل ہو گیا ہے، اور

> ہندوستان کی تاریخ میں شاید کوئی اور ایسا واقعہ نہ ملے جب محض مصالح کے پیش نظر امت کے قائدین نے اپنی زبانیں بند رکھی ہوں۔ حتیٰ کہ جن صریح مظالم پر قومی اخبارات مسلسل چیختے رہے ہیں ہندو دانشور مسلسل آواز بلند کرتے رہے ہیں اور انسانی حقوق کی تنظیمیں احتجاج کرتی رہی ہیں ان انسانیت سوز مظالم پر بھی ہمارے اکابرین کی زبانیں گنگ رہی ہیں۔

جب ہر مسلم ادارے اور ہر مسلم گھر میں حکومت کو کشمیری دہشت گرد پناہ گزیں نظر آنے لگے ہیں تب ہمیں احساس ہوا ہے کہ کشمیر کے مسلمان گذشتہ چار برسوں کے دوران کس اذیت ناک صورت حال سے دوچار ہیں۔ کاش کہ ہم نے شروع ہی میں اس بارے میں اپنا موقف واضح کیا ہوتا اور ظلم خواہ کسی بھی فرقے کے خلاف کسی بھی شکل میں اس کے خلاف آواز اٹھائی ہوتی تو آج وادی کی آگ سے ہمارے در و بام بھی محفوظ رہتے۔

اس سے قطع نظر کہ کشمیر کے مسئلے کا حل کیا ہے اور اس بحث سے صرف نظر کرتے ہوئے کہ کشمیر پر کس ملک کا حق بنتا ہے یا اسے اپنی خود مختاری کا حق حاصل ہے یا نہیں، ہمارے لئے جو مسئلہ سب سے اہم ہے وہ یہ کہ کسی ملک کی فوج کو اپنے ہی شہریوں پر فوج کشی کا حق کس حد تک ہو سکتا ہے؟ ظلم کا سایہ اگر کسی بھی خطے میں گہرا ہوتا جا رہا ہے تو اس کے تدارک کی صورت کیا ہوگی؟ اور یہ کہ اس ملک میں انصاف پر مبنی معاشرے کے قیام کے خلاف جو طاقتیں کام کر رہی ہیں انہیں شکست فاش کیسے دی جا سکتی ہے؟ پھر یہ کہ کسی بھی حکومت کو یہ اجازت کیسے دی جا سکتی ہے کہ من حیث القوم امت مسلمہ کو غیر ملکی ایجنٹ بتا کر اس پر اپنی توپوں کا دہانہ کھول دے؟

دوسرا مسئلہ جو ہماری ملی فکر کا شدت سے محتاج ہے وہ ہے الکشن۔ آپ حضرات اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ ہندوستان کا موجودہ سیاسی نظام کچھ اس انداز سے ترتیب دیا گیا ہے کہ اس میں صالح قیادت کے ابھرنے کا امکان مفقود ہے۔ پھر مسلم حلقوں کی ترتیب و تنظیم اور مسلم ووٹرس کا مختلف علاقوں میں منتشر ہونا بھی ایک ایسی حقیقت ہے جس نے مستقبل قریب تو کیا مستقبل بعید میں بھی کسی مسلم سیاسی قوت کے ابھرنے کا امکان ختم کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کی کثیر تعداد کے باوجود پارلیامنٹ اور اسمبلی میں ان کی نمائندگی تناسب کے اعتبار سے انتہائی کم ہے۔ مثال کے طور پر 880 ملین کی آبادی والے ملک میں پارلیامنٹ میں مسلمانوں کی نمائندگی کم از کم 119 ہونی چاہئے تھی۔ اگر حکومت کی جانبدارانہ مردم شماری کو ہی معیار مان لیا جائے جب بھی مسلمانوں کی آبادی کے پیش نظر لوک سبھا میں ان کے ممبروں کی تعداد 62 ہونی چاہئے۔ جب کہ اب تک سب سے بڑی تعداد استثنائی طور پر 1977 میں 48 رہی ہے۔ نظام کے نقص ہی کا نتیجہ ہے کہ مدھیہ پردیش کی موجودہ اسمبلی میں تین سو بیس اراکین میں ایک بھی مسلمان نہیں ہے۔ جو لوگ موجودہ سیاسی ڈھانچے میں مسلمانوں کو سیاسی طور پر موثر کرنے کا خواب دیکھ رہے ہیں وہ دراصل ایک سراب کے پیچھے بھاگ رہے ہیں۔ رہے وہ لوگ جو دلت مسلم اتحاد کا نعرہ بلند کرتے ہیں تو وہ دراصل امت مسلمہ کی نظریاتی اساس سے ناواقف ہیں اور وہ عام قوموں کی طرح ہی مسلمانوں کو مختلف قوموں کے ساتھ فٹ کرنے کا ناکام تجربہ کرنا چاہتے ہیں۔ اگر اس امت کو اس ملک کے سیاسی اقتدار میں کوئی شرکت مطلوب ہے تو اسے خوب خوب معلوم ہونا چاہئے کہ موجودہ سیاسی نظام میں بنیادی تبدیلی کے بغیر مسلمانوں کو ان کا سیاسی حق نہیں مل سکتا۔ بہت کچھ غور و فکر کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اس ملک میں متناسب نمائندگی کی بنیاد پر مسلمانوں کے لئے جداگانہ انتخاب کے علاوہ اور کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے جو انہیں سیاسی اقتدار میں جائز شرکت دلوا سکے۔ یہی وہ راستہ ہے جس میں مسلمانوں کے درمیان صالح سیاسی قیادت کے ابھرنے کا امکان پایا جاتا ہے۔ رہی دوسری سیاسی ترکیبیں تو ہم انہیں خوب خوب آزما چکے ہیں اور اسی کے نتیجے میں ہم آج اس بے بسی کی کیفیت سے دوچار ہیں۔ ضرورت ہے کہ امت مسلمہ کا یہ معتبر ادارہ اس مسئلے پر غور و فکر کے بعد سیاسی نظام میں تبدیلی کے اس مطالبے کو ایک قومی مطالبہ قرار دے ورنہ موجودہ سیاسی نظام میں مسلمانوں کا پارلیامنٹ کے اندر باہر رہنا کچھ معنی نہیں رکھتا۔

رہے وہ لوگ جو اس مطالبے کو اس خوف سے اٹھانے سے ڈرتے ہیں کہ ان پر نئے پاکستان کی تعمیر کا الزام لگ جائے گا تو انہیں خوب معلوم ہونا چاہئے کہ ان پر حق و انصاف کے قیام کی ذمہ داری عائد کی گئی ہے خواہ ایسا کرنے پر دنیا کچھ بھی کہتی رہے۔

تیسرا اہم مسئلہ جو اس وقت تیزی سے سر اٹھا رہا ہے اور اندیشہ ہے کہ آنے والے دنوں میں مزید شدت اختیار کرلے گا وہ ملک کے مختلف علاقوں میں ہندوستانی مسلمانوں کی شہریت کو مشکوک بنائے جانے کا ہے۔ اس سے قطع نظر کہ کون شخص بنگلہ دیشی ہے یا کس نے ہندوستان میں کب سکونت اختیار کی ہمارا یہ واضح موقف ہونا چاہئے کہ آج کی تاریخ تک ہندوستان میں بسنے والے ہر شخص کو مکمل ہندوستانی شہری تسلیم کیا جائے۔ لوگوں کی سکونت اور آبادکاری کے بارے میں سیاسی انداز سے تحقیق و تفتیش کا سلسلہ جاری رکھا گیا تو اس سے مسائل مزید پیچیدہ ہو جائیں گے۔ ہندوستان جیسے قدیم بین الملی اور بین المذہبی ملک میں جس کی پوری تہذیبی تاریخ مختلف علاقوں سے آکر سکونت اختیار کرنے والوں پر منحصر ہے، ملکی اور غیر ملکی کی بحث بے معنی ہے مزید یہ اگر ہندوستان نے بنگلہ دیش کی آزادی کو اپنا قومی فریضہ سمجھا تھا تو اسے چاہئے کہ اگر اس موقع پر پریشان حال لوگوں نے جنگی حالات سے تنگ آکر اس ملک میں جائے پناہ حاصل کی ہو تو اپنی وسعت ظرفی کے تئیں وہ ان کی ذمہ داریاں بھی قبول کرلے۔ رہا ان ہندوستانی مسلمانوں کا مسئلہ جن کی شہریت مختلف بہانوں سے مشکوک قرار دی جاتی رہی ہے تو ان کا تعلق دور دور سے بھی بنگلہ دیش سے ثابت نہیں ہوتا اس شر انگیزی کے سد باب کے لئے ہمیں ایک موثر رویہ اختیار کرنا ہوگا۔

چوتھی بات جو ان باتوں سے ذرا مختلف لیکن پرسنل لاء بورڈ کے لئے بنیادی غور و فکر کی محتاج ہے وہ ہندوستانی معاشرے میں مسلم خواتین کی افسوس ناک صورتحال ہے۔ ہمیں اس بات کا خوب احساس ہے کہ اسلام اور شریعت کے حوالے سے ہندوستانی مسلم سماج نے مسلم خواتین پر ظلم و ناانصافی کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ آئے دن

باقی صفحہ ۱۳ پر

ہندوستان دنیا کا تیسرا بڑا قرضدار

کیا ہندوستان اس بوجھ سے نبرد آزما ہو سکتا ہے

ہندوستان غیر ملکی قرضوں کے بوجھ سے بری طرح دبا ہوا ہے۔ قرضوں کی شرح میں دن بدن اضافہ ہوتا جارہا ہے اس کی وجہ سود کا بڑھنا اور ڈالر کی قیمت میں اضافہ نیز ہندوستانی کرنسی میں گراوٹ بھی ہے۔ اس وقت ہندوستان پر تقریباً 94 بلین ڈالر کا قرض واجب الادا ہے۔ خیال کیا جاتا ہے 94۔95 کے اقتصادی سال کے خاتمے تک اس میں مزید اضافہ ہوگا۔ یہ صورتحال ہندوستان کے لئے انتہائی تشویش ناک ہے کیونکہ اقتصادی سال کے خاتمے پر ہندوستان دنیا کا ایسا تیسرا ملک بن جائے گا جو غیر ملکی قرضوں کی فہرست میں سب سے اوپر ہیں۔ واضح رہے

ہیں۔ بجٹ پیپر کے مطابق ہندوستان 464.527 بلین روپے یعنی 14.8 بلین ڈالر کا قرض دکھایا گیا ہے وہیں اسٹیٹس رپورٹ میں 54.5 بلین کا قرض دکھایا گیا ہے

دوسری طرف اسی وزارت کی طرف سے شائع شدہ اکانومک سروے میں جو پرووزنل اعداد و شمار دکھائے گئے ہیں ان کے مطابق ہندوستان پر غیر ملکی قرض 90.39 بلین ڈالر ہیں۔ اس سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا حکومت موجودہ شرح مبادلہ کے تحت قرضوں کی ادائیگی کی پوزیشن میں ہے۔ کیا وہ اس باز آدائی کے بوجھ کو جھیل سکتی ہے اکانومک اور پولیٹیکل ویکلی میں شائع ایک رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ

> دوسری طرف اسی وزارت کی طرف سے شائع شدہ اکانومک سروے میں جو پرووزنل اعداد و شمار دکھائے گئے ہیں ان کے مطابق ہندوستان پر غیر ملکی قرض 90.30 بلین ڈالر ہیں۔ اس سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا حکومت موجودہ شرح مبادلہ کے تحت قرضوں کی ادائیگی کی پوزیشن میں ہے۔ کیا وہ اس باز ادائی کے بوجھ کو جھیل سکتی ہے۔

کہ امریکہ اور برازیل پہلے اور دوسرے نمبر پر ہیں۔

اکانومک سروے 94۔1993 اور 28 اکتوبر 93 کو شائع ہونے والی اسٹیٹس رپورٹ میں ہندوستان پر قرضوں کا جو بوجھ دکھایا گیا ہے، حکومت کے تیار کردہ 94۔95 کے بجٹ پیپر میں اس سے متضاد باتیں درج

اگر ہندوستانی قرضوں کو 95۔1994 اور 2000۔1990 کے بیس اور آپٹی مسٹک معاملے کے تحت دیکھا جائے تو ڈالر کی موجودہ شرح مبادلہ کے مطابق یہ قرض علی الترتیب 16.85 بلین اور 19.65 بلین ہے، ان دونوں کا اوسط 15.75 بلین ڈالر ہے۔

اسٹیٹس رپورٹ میں دیے گئے کل سرکاری قرضے کے 69.31 فیصد پر سالانہ اوسط نکالا جائے تو 13.10 بلین ڈالر آتا ہے گویا حکومت کو اتنا قرض سالانہ ادا کرنا ہے، موجودہ شرح مبادلہ یعنی 31.3 کے حساب سے 320 بلین روپے آتے ہیں۔ حکومت کے

ایکسپنڈیچر بجٹ کے مطابق 93۔1992 میں 310 بلین روپے 94۔1993 میں 375 بلین روپے بطور سود ادا کئے گئے 95۔94 میں اس کا تخمینہ 460 بلین روپے لگایا گیا ہے۔ اگر حکومت اپنے بجٹ میں اس کا انتظام رکھے کہ وہ صرف 14.84 بلین ڈالر کی ادائیگی سالانہ

کرے گی تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا حکومت بجٹ کے وسائل سے 320 بلین روپے ادا کر سکتی ہے۔ اور اس پر مستزاد یہ ہے کہ 382 روپے کا بوجھ سود کی شکل میں آئے گا۔ ذرا غور کیجئے کہ حکومت نے بجٹ خسارے کو کم کرنے کا تہیہ کیا ہوا ہے تو کیا ایسی صورت میں یہ ممکن ہے۔

غیر ملکی قرضوں کے سلسلے میں اسٹیٹس رپورٹ

> مذکورہ رپورٹ کی روشنی میں تشویشناک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حکومت اتنے بڑے قرضے کی ادائیگی کیسے کریگی۔ لوگوں کو یہ سوالات بھی پریشان کر رہے ہیں کہ حکومت ہمارے ملک پر قرضوں کا بوجھ کیوں لادتی جارہی ہے۔ اس کے پیچھے کون سے عوامل کارفرما ہیں۔

کے مطابق 90۔1998 میں 7.82 بلین ڈالر 91۔90 میں 7.88 بلین اور 92۔91 میں 8.8 بلین ڈالر واجب الادا تھے۔ مذکورہ قرضوں کی ادائیگی کے لئے ضروری ہے کہ حکومت کے فارن ایکس چینج میں خاطر خواہ اضافہ ہو۔ جب کہ ایسا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ مذکورہ رپورٹ کی روشنی میں تشویشناک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حکومت ان کی ادائیگی کیسے کرے گی؟ اس سوال نے ہندوستانی باشندوں کو پریشانی میں مبتلا کر دیا ہے اور لوگ یہ سوچنے پر مجبور ہیں کہ حکومت ہمارے ملک پر قرضوں کا بوجھ کیوں لادتی جارہی ہے؟ اسکے پیچھے کون سے عوامل کارفرما ہیں؟

●●

اُف۔ یہ قرضوں کا بوجھ

بقیہ: اسرائیلی فوج کے حوصلے پست

جنوبی لبنان میں اسرائیل کے غیر قانونی خود ساختہ سیکورٹی زون میں بھی ایک واقعہ پیش آیا تھا۔ حزب اللہ کے چند جانبازوں نے ایک مضبوط اسرائیلی چوکی پر جرآت مندانہ حملہ کر کے ایک فوجی کو ہلاک اور کئی دوسروں کو زخمی کر دیا اور وہاں اس اسرائیلی پوسٹ پر اپنا پرچم نصب کر دیا۔ حزب اللہ نے اسرائیلیوں کے زخم پر مزید نمک پاشی یوں کی کہ اس پورے واقعے کی ویڈیو فلم بنا کر اخبار نویسوں میں تقسیم کر دی۔ فلم دیکھنے کے بعد پورے اسرائیل میں ایک ہنگامہ کھڑا ہوگیا۔ موجودہ اور سابق جنرلوں نے خود اپنے فوجیوں کی مذمت کی۔ شمالی کمانڈر کے اسرائیلی سربراہ نے اس چوکی پر موجود ہر سپاہی سے بذات خود تفتیش کی۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ جہاں بعض سپاہی غفلت برتنے کے مجرم تھے وہیں کتنے ہی ایسے تھے جو اپنی جان بچا کر ادھر ادھر چھپ گئے تھے۔ وہ اتنے خوف زدہ تھے کہ حزب اللہ کے مجاہدین جب لوٹ رہے تھے تو ان پر فائر کرنے یا ان کا پیچھا کرنے کے بجائے اپنی اپنی پناہ گاہوں میں چھپے رہے۔ ظاہر ہے کہ ان میں کتنے ہی فوجیوں کو فوراً جیل بھیج دیا گیا۔ یونٹ کے سربراہ کی سرزنش کی گئی اور پوری ٹکڑی کو بے عزت کر کے واپس بلا لیا گیا۔

مگر اسرائیلی عوام کا غصہ اس اقدام کے بعد ختم نہیں ہوا عوامی بحث پھر بھی جاری رہی۔ اس ساری بحث کا مرکزی عنوان یہ تھا کہ پہلے حزب اللہ ساؤتھ لبنان آرمی پر حملے کرتی تھی مگر اب وہ اتنی بے باک ہوگئی ہے کہ اس نے نہ صرف ایک اسرائیلی پوسٹ پر حملہ کیا بلکہ پورے آپریشن کی فلم بھی بنالی۔ بعض اسرائیلیوں نے کھل کر الزام لگایا کہ اسرائیلی فوج اپنی دفاعی صلاحیت کھو چکی ہے۔

اسرائیلی فوج کے مورال اور صلاحیت میں زوال کے اسباب پر بھی اخباری بحث کے دوران

> اسرائیلی فوج کا مورال اور صلاحیت میں زوال کے اسباب پر اسرائیلی اخباروں میں بحث چھڑی ہوئی ہے اور لوگ اپنے اپنے انداز سے اسکی توجیہ کر رہے ہیں۔ اب اس فوج کا مورال اتنا گر گیا ہے کہ وہ ہلکے ہتھیاروں سے لیس حزب اللہ کے گوریلوں سے بھی شکست کھا سکتی ہے۔

روشنی ڈالی گئی۔ جن کا تعلق دائیں بازوں سے تھا انہوں نے کہا کہ ایسا اس لئے ہوا ہے کہ سیاسی دباؤ کی وجہ سے فوج کو انتفاضہ کو ختم کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ مگر امن کے حامیوں کا کہنا ہے کہ یہ اسی سیاسی دباؤ یا مداخلت کا نتیجہ ہے جس کی وجہ سے فوج کو محاذ پر لڑنے کے بجائے غازہ و مغربی کنارے پر پولس کا رول ادا کرنے پر مجبور کیا گیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ یہ فوج ایک لڑاکا فوج ہونے کے بجائے پتھر مارنے والے فلسطینی بچوں کا پیچھا کرنے والی فوج بن کر رہ گئی۔ یہاں تک کہ اب اس کے پاس بچوں کا پیچھا کرنے سے زیادہ کچھ کرنے کی صلاحیت نہیں ہے، امن کے حامی یہ بھی کہتے ہیں کہ فوج کے بچے کھچے مورال کو بچانے کے لئے ضروری ہے کہ تمام یا زیادہ تر مقبوضہ علاقے خالی کر دیئے جانے چاہئیں۔ کیونکہ اسرائیلی فوج کو اب بھی بہر حال علاقے کی دوسری فوجوں پر برتری حاصل ہے کہ جسے برقرار رہنا چاہئے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ایک ایسی فوج جس کا مورال اونچا ہو وہ ایک چھوٹے اور تنگ علاقے سے بھی حملہ آوروں کا کامیابی سے مقابلہ کر سکتی ہے۔ مگر جس کا مورال گر گیا ہو وہ ہلکے ہتھیاروں سے لیس حزب اللہ کے گوریلوں سے بھی شکست کھا سکتی ہے۔

جنوبی لبنان کے غیر قانونی اور خود ساختہ اسرائیلی سیکورٹی زون میں اسرائیلی فوجی چوکی پر حزب اللہ کے حملے کے چار روز بعد ہی اسلامی جہاد کے سرگرم کارکن اور لیڈر حانی عابد کو ان کی کار کو بم سے اڑا کر ختم کر دیا گیا تھا۔ بعض مبصرین کا خیال ہے کہ یہ دراصل اسرائیلی فوج اور خفیہ ایجنسی کی غالباً ایک مشترکہ کوشش ہے جس کا مقصد اسرائیلی فوج کے گرتے ہوئے مورال کو اونچا کرنا ہے۔

●●

نقطہ نظر

مسلم ریزرویشن کے پردے میں خدشات بھی پنہاں ہیں

عقیدہ و مسلک کے خانوں میں بٹا ہوا مسلم معاشرہ نئی محاذ آرائی میں مبتلا ہو جائے گا

یہ کالم ہندوستانی مسلمانوں کے مسائل سے متعلق مسلم و غیر مسلم دانشوروں کے مضامین کے لئے وقف ہے۔ اس میں مختلف مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے دانشوروں کے مضامین شائع کئے جاتے ہیں۔ ان مضامین میں پیش کردہ نقطہ نظر سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں۔ (ایڈیٹر)

تحریر: شمیم طارق

سیتارام کیسری نے صرف شوشہ چھوڑا ہے۔ مسلمانوں کو ابھی تک ریزرویشن ملا نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کی جانب سے ابھی تک کوئی ایسا جامع مطالبہ بھی نہیں رکھا گیا ہے جس میں انہیں مجموعی حیثیت سے یا ان کی بعض برادریوں کو ریزرویشن کی وہی سہولتیں اور رعایتیں دی جانے کی بات کہی گئی ہو جو دوسروں کو میسر ہیں۔ OBC کے بطور معاشی طور پر پچھڑی بعض مسلم برادریوں کے لئے دو چار ریاستوں میں تھوڑی بہت رعایت کی گنجائش رکھی بھی گئی ہے تو اس پر ایماندارانہ عمل درآمد نہیں ہوتا اس کے باوجود مسلم معاشرے میں ریزرویشن کے سوال پر منفی اور مضر اثرات مرتب ہونے شروع ہو گئے ہیں اور لگتا ہے کہ یہ معاشرہ جو پہلے ہی عقیدہ و مسلک اور ذات برادری کے علاوہ کئی اور بنیادوں پر رشتہ اخوت کو نباہنے میں کمزور و غیر مخلص ثابت ہوا ہے نئی محاذ آرائی اور آپسی رسہ کشی کا شکار ہوگا۔

آل انڈیا مسلم پسماندہ طبقات فیڈریشن کے جنرل سکریٹری ابراہیم قریشی نے، جو مدھیہ پردیش اقلیتی کمیشن کے صدر بھی ہیں، اس بیان کے ساتھ کہ دستور ہند میں چونکہ مذہب و برادری کی بنیاد پر ریزرویشن دینے کی کوئی گنجائش نہیں رکھی گئی ہے لہذا تمام مسلمانوں کو ریزرویشن دینے کا مطالبہ معقولیت پر مبنی نہیں ہے، اس لڑائی کو تیز تر کر دیا ہے جو بہار میں بہار بیک ورڈ مسلم مورچہ، نے چھیڑ رکھی ہے۔ جنوب کی ریاستوں میں بھی مسلمانوں کو ریزرویشن کے تحت بعض سہولتیں میسر ہیں۔ مگر وہاں ریزرویشن سے جڑے برادری واد کے مسئلہ نے مسلم معاشرہ پر اتنے منفی اثرات مرتب نہیں کئے جتنے منفی اور مضر اثرات شمال کی ریاستوں میں ریزرویشن ملنے سے پہلے ہی مرتب ہو رہے ہیں۔

شاید اس لئے کہ اس مسئلہ پر اظہار خیال کرنے والے اس کے ہم پہلو مضمرات سے ناواقف ہیں۔ ان باتوں سے قطع نظر ایک بات جو مسلمانوں کو ریزرویشن دیئے جانے کے مسئلے میں سبھی فراموش کر رہے ہیں وہ یہ ہے کہ حکومت کے خفیہ سرکیولر کے ذریعہ ایک خاص منصوبے کے تحت یہ دلیل دے کر مسلمانوں کو مجموعی حیثیت سے ایک عرصے تک حکومت کی ملازمتوں سے دور رکھا گیا ہے کہ ماضی میں انہیں ان کی آبادی کے تناسب سے زیادہ ملازمتیں دی جاتی رہی ہیں لہذا اس کی تلافی کی تنہا یہی صورت ہے کہ ان کو مجموعی طور پر ریزرویشن کی سہولت دیکر سماجی اور تعلیمی طور پر سماج کے ترقی یافتہ طبقوں کے برابر پہنچنے میں مدد دی جائے۔

رہا سوال ان مسلم برادریوں کا جو مسلمان ہوتے ہوئے بھی بد قسمتی سے نیچی اور کمتر سمجھی جاتی رہی ہیں تو انہیں SC/ST کی فہرست میں شامل کرنے کی مہم چلا کر جو مل سکتا ہو اس کو حاصل کرنے میں قطعی کوئی کوتاہی یا تغافل نہیں کرنا چاہئے کیونکہ سماجی مرتبے سے محروم یہ لوگ جنہیں خود مسلمان اپنے سے الگ اور کمتر سمجھتے رہے ہیں یہ دیکھ کر کہ انہی جیسے اور انہی جیسے کام کرنے والے SC/ ST کی حیثیت سے زبردست مراعات کے حقدار سمجھے جا رہے ہیں نہ صرف شکست خوردگی میں مبتلا ہیں بلکہ بہار سے تو ایسی خبریں بھی مل رہی ہیں کہ وہاں اسی بنیاد پر تبدیلی مذہب کے واقعات بھی ہو رہے ہیں کیونکہ مسلمانوں کی بعض برادریوں نے اس لئے ترک مذہب کیا ہے کہ ہندو بنکر انہیں بھی وہ مراعات مل سکیں گی جو مراعات پا کر ان کے ہم مرتبہ اور ہم پیشہ سماجی تعلیمی طور پر اونچے اٹھ رہے ہیں۔

بعض دوسری ریاستوں میں بھی اس سلسلہ میں مسلمانوں میں اضطراب پایا جاتا ہے مثلاً مہاراشٹر میں ایک برادری، "کھٹک" کہلاتی ہے جس میں مسلمان بھی ہیں اور ہندو بھی اور دونوں کے بالکل ایک جیسے کام ہیں سماجی طور پر بھی انہیں قابل احترام نہیں سمجھا جاتا لیکن ہندو کھٹک کو SC کی حیثیت سے ساری مراعات حاصل ہیں جب کہ مسلم کھٹک کو کچھ نہیں۔ ظاہر ہے یہ صورت حال، اس صورت میں اور بھی خطرناک ثابت ہو سکتی ہے جب "کالے پر گورے یا عجمی پر عربی" کی فضیلت نہ ہونے کے فرمان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بار بار تکرار کے باوجود مسلمانوں میں برادری واد کی چپقلش اور ذات پات کی عصبیت

بہار سے ایسی بھی خبریں موصول ہو رہی ہیں کہ وہاں تبدیلی مذہب کے واقعات رونما ہو رہے ہیں کیونکہ مسلمانوں کی بعض برادریوں نے اس لئے ترک مذہب کیا ہے کہ ہندو بنکر انہیں وہ مراعات مل جائیں گی جو انکے ہم پیشہ افراد کو حاصل ہیں

بہر حال پرورش پاتی رہی ہے۔ بہار نے کھل کر اسی نفرت کا مظاہرہ کیا ہے۔ یہاں کے مسلمانوں میں بھی نٹ، بنجارہ، حلال خور، لال بیگی، بھاٹیا، دھوبی، پڑیا اور بکھو وغیرہ جو مسلمان ہونے کے باوجود مسلمانوں ہی کے ذریعہ ٹھکرائے جانے کے شاکی ہیں، الگ الگ تنظیموں میں شامل ہو کر نمائندہ تنظیم، بہار بیک ورڈ مورچہ، کے تحت SC/ ST فہرست میں شامل کئے جانے کی لڑائی لڑ رہے ہیں اور بھوجپور سماج سیوا سنگھ کے صدر محمد ریاض الدین انصاری، جمعیت حواری کے صدر محبوب صاحب دلت مسلم حلال خور پنچ کے صدر محمد سونی اور دیگر درجنوں تنظیموں کے عہدیدار اس سلسلہ میں اسی لہجے میں گفتگو کر رہے ہیں جو رام ولاس پاسوان اور شرد یادو کا لہجہ ہے۔ قومی سطح پر بھی مسلمانوں کی مجموعی صورت حال یہی ہے کہ وہ معاشی سماجی اور تعلیمی طور پر دوسروں سے پچھڑا ہوا ہے اور اس کے مجموعی پچھڑے پن کے علاوہ اس کی بعض برادریاں پچھڑوں میں بھی پچھڑی ہوئی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اسلام کی تعلیمات کے قطعی برعکس ہندو سماج کے دائرہ اثر میں جب ایک عرصے تک ان برادریوں کو کمتر اور رذیل سمجھا جاتا رہا ہے تو پھر ریزرویشن کے لئے ہندوستانی سماج میں پیدا ہونے والی اتھل پتھل سے یہ مسلم برادریاں کیسے محفوظ رہ سکتی ہیں؟۔ کیونکہ مسئلہ کو ہندو سماج کے ساتھ ہی مسلم سماج پر ٹھوکر کرنے کی ماضی میں جو غلطیاں کی گئی ہیں وہ اب خطرناک صورت میں سر اٹھا رہی ہیں اور اب ان سے نظریں چرا کر انہیں حل نہیں کیا جا سکتا۔

راقم الحروف کا خیال ہے کہ اس سلسلہ میں مرکزی اور ریاستی حکومتوں سے بنیادی طور پر دو مطالبے کئے جائیں اول تو یہ کہ غیر مسلموں کی ہم پیشہ مسلمان برادریوں سے محض مذہب کی بنیاد پر تفریق نہ کی جائے جیسا کہ مہاراشٹر میں مسلم کھٹک برادری کے ساتھ ہوتا ہے۔ دوسرے مجموعی حیثیت سے بھی مسلمانوں کے ساتھ کی جانے والی نا انصافیوں کی تلافی کے لئے انہیں ریزرویشن دیا جائے اس سلسلہ میں ہمارے دلائل یہ ہیں کہ

جب مذہب کی بنیاد پر کسی کو ریزرویشن دیا نہیں جا سکتا تو مذہب کی بنیاد پر بعض مسلم برادریوں کو جو ریزرویشن پانے والی بعض غیر مسلم برادریوں کی ہم پیشہ اور سماجی تعلیمی طور پر ان سے بھی زیادہ پچھڑی ہوئی ہیں، ریزرویشن سے محروم کیوں کر رکھا جا سکتا ہے؟ اور دوسرے یہ کہ مسلمانوں کو مجموعی طور پر ریزرویشن اس لئے نہ دیا جائے کہ وہ مسلمان ہیں بلکہ اس لئے کہ انہیں انتقام کا نشانہ بنایا جاتا رہا ہے اور بعض حکومتی سرکیولر مظہر ہیں کہ سرکاری ملازمتوں میں ان کی تقرریاں، حکومت کے حکم سے روکی گئی ہیں۔

لیکن اس کے لئے سب سے ضروری یہ ہے کہ ریزرویشن کے حصول کی یہ لڑائی مسلم برادریوں میں رقابت پیدا کر کے نہیں بلکہ رفاقت و وحدت پیدا کر کے لڑی جائے اور اس کے لئے علماء، فقہاء، دانشور ماہرین سماجیات، سیاست داں سب سر جوڑ کر بیٹھیں اور ایسی صورت نکالیں کہ ماضی میں مسلمان ہونے یا مسلمانوں کی سی پچھڑی ذات میں پیدا ہونے کے سبب جو معاشی سماجی تعلیمی نقصانات ہوتے رہے ہیں ان کی کس طرح تلافی کی جائے کہ ہندوستان کے مسلم معاشرہ میں برادری واد کا عفریت جو مذہبی ملی اخوت کے تمام تر دعوؤں کے باوجود زندہ ہے اور ملت واحدہ کا خون پی رہا ہے اس طرح سر نہ اٹھائے جس طرح اکثریتی سماج میں سر اٹھا چکا ہے۔

مسلمانوں کے لئے ریزرویشن کی تحریک چلانے والوں کو مسئلہ کے اس پہلو پر نظر رکھنا بہت ضروری ہے جو مسلمانوں کے لئے سماجی معاشی اور تعلیمی سطح پر چند فائدوں کے ساتھ بہت سارے نقصانات کا بھی باعث ہو سکتا ہے۔

ایسے نقصانات جس کی زد میں مسلمانوں کی عصمت و عفت اور وحدت و اخوت دونوں آ سکتی ہے۔

●

بقیہ: مداہنت کا ارتکاب

مسلم خواتین کے مسائل ہمارے سامنے آتے رہتے ہیں ایسا اس لئے بھی کہ بعض اسلامی اصولوں کے غیر اسلامی نظام میں پوری طرح موثر نہ ہونے کے سبب بعض حالتوں میں بڑی مضحکہ خیز صورتحال پیدا ہو جاتی ہے۔ پرسنل لاء بورڈ نے اپنے قیام کی ابتداء ہی سے اس ذمہ داری کی ادائیگی کا عہد کیا تھا لیکن افسوس کہ فقہ کی جدید تدوین تو کجا ابھی اس بارے میں بنیادی رویے کی تشکیل ہی باقی ہے۔ اس مسئلہ پر غور کیا جانا بھی ضروری ہے کہ غیر مسلم نظام میں نافذ ہونے والی محدود اسلامی فقہ ہمہ گیر اسلامی نظام کی فقہ سے کس قدر مختلف ہوگی۔

شاہ بانو کے معاملے میں مطلقہ بے سہارا عورت کے نان و نفقہ کی ذمہ داری اوقاف پر ڈال کر ہم نے بظاہر تو اپنے تئیں شریعت کی حفاظت کا سامان کر لیا۔ البتہ جو لوگ اوقاف کی موجودہ صورتحال سے واقف ہیں انہیں خوب معلوم ہے کہ اس تباہ حال ادارے سے ایسے کسی فلاحی کام کی توقع عبث ہے۔ پھر ہندو تو تہذیب کے زیر اثر جس طرح مسلم عورتوں کی پوری زندگی باورچی خانے کی تنگ کوٹھری میں گزر جاتی ہے، اور یہ کہ علم کے فقدان اور غیر مسلم رسم و رواج کے زیر اثر جس طرح وہ غلبہ اسلام کے انقلابی مشن سے عملی طور پر غیر متعلق ہو گئی ہیں ہم اس کا تدارک بھی اب تک نہیں کر پائے ہیں۔ شاید یہ سب کرنا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ ہم ان غیر اسلامی رسم و رواج کو ختم کرنے کا بیڑا نہ اٹھالیں جنہیں معاشرے میں کسی وجہ سے تقدس کا مرتبہ حاصل ہو گیا ہے۔ ضرورت ہے کہ ہم جلد از جلد ان اقدامات کا فیصلہ کریں جس سے ملک میں شریعت کے تحفظ کے بجائے اس کے غلبے کی راہ ہموار ہو سکے۔

آخری لیکن بڑی اہم بات یہ ہے کہ اب وقت آگیا ہے کہ ہم ان نظریاتی الجھنوں کے سلسلے میں ایک واضح موقف اختیار کریں جن کے بارے میں گزشتہ نصف صدی سے پوری امت کنفیوژن کا شکار رہی ہے۔ ہمیں یہ وضاحت کے ساتھ بتانا ہوگا کہ اس ملک میں ہمارا ملی مفاد ہے کتاب و سنت کے حوالے سے ہمیں اس ملک میں کون سا رول مطلوب ہے اور یہ کہ ہمارے ملی مفادات ملکی مفادات سے کس طرح مختلف ہیں۔ مثال کے طور پر غلبہ اسلام کا مقدس خواب دستور میں متعین کردہ ملکی مفاد سے براہ راست متصادم ہے اگر ایک طرف دستور ہند ملک کے کارواں کی منزل کا تعین سیکولر اور یونیفارم سول کوڈ والے معاشرے کی طرف کرتا ہے تو دوسری طرف قرآن مجید کی حامل امت کے لئے انصاف پر مبنی ایک ایسے معاشرے کے قیام کا ہدف پہلے سے موجود ہے جس سے امت کا بڑے سے بڑا فرد محترم سے محترم شخصیت موثر سے موثر گروپ بھی سر مو انحراف کی جرات نہیں کر سکتا۔ لازم ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کو اس ملک کا مکمل نظریاتی شہری بننے کے لئے دستور میں حائل ان رکاوٹوں کو دور کیا جائے جو ایک ایسے روحانی معاشرے کے قیام میں رکاوٹ بن سکتی ہیں۔ بالفاظ دیگر ان اقدامات کا تعین کیا جائے جن سے قرآنی اور دستوری نصب العین کا ٹکراؤ ختم ہو سکتا ہو۔ یہ ایک ایسا بنیادی مسئلہ ہے جس سے صرف نظر کیے بغیر اس ملک میں بنیادی تبدیلیوں کی بات نہیں سوچی جا سکتی۔

توقع ہے کہ اس اجلاس میں ان مسائل پر بعض ایسے واضح لائحہ عمل تیار کئے جائیں گے جن سے مسلمانوں کی موجودہ مایوسی کا سد باب ہو سکے گا۔ اور یہ اجلاس حق گوئی کی ایک ایسی نظیر قائم کرے گا جس سے باطل کے در و بام لرز اٹھیں گے۔ اس بات کی بھی توقع ہے کہ جو حضرات ہمارے درمیان امت مسلمہ کی آبرو سمجھے جاتے ہیں وہ اس امت کی بے بسی کا مقدمہ جابر حکومت کے ایوانوں تک لے جانے کے بجائے اللہ کی عدالت تک لے جائیں گے اور اعلائے کلمۃ الحق کی ایک ایسی نظیر پیش کریں گے جو اصحاب کہف کے نوجوانوں نے کی تھی اور جس کے نتیجے میں اللہ نے ان کو اپنی پناہ اور حفاظت میں لے لیا تھا۔ خدا کرے اس اجلاس سے اللہ کی یہ سنت دوبارہ اس ملک میں قائم ہو۔

●●

دستور کی ترمیمات 73 اور 74 سے

ملک کے اتحاد و یکجہتی کو خطرہ؟

تحریر: ایم۔ این۔ بچ

آزادی کے عطا کردہ مسلمات میں سے ایک بات یہ بھی تھی کہ ہندوستان ایک ایسی جمہوری ریاست ہوگا جس میں کسی کے ساتھ کسی بنیاد پر کوئی امتیاز نہیں برتا جائے گا اور جب ایسا ہو تو کسی ذات، طبقے اور فرقے کے لئے انتخاب کنندگان کی جماعت یا الیکٹوریٹ الگ سے قائم نہیں کیا جائے گا۔ مذہبی نبیادوں پر قائم ریاست یا اکثریتی فرقے کو خصوصی مراعات دینے والے حکومتی نظام کو بھی شدت سے ٹھکرا دیا گیا اور اسی طرح مسلمانوں یا دوسری مذہبی اقلیتوں کے لئے علیحدہ الکٹوریٹ کے قیام کی بھی کھل کر مخالفت کی گئی۔ ایک آدمی ایک ووٹ کے حصول پر بالغوں کے لئے حق رائے دہندگی کی ضمانت دینے کے ساتھ ساتھ ہم نے اس سے قطع نظر کیا کہ کسی ووٹر کا تعلق ملک کے کس حصے سے ہے۔ اسے لوک سبھا اور ودھان سبھا کے انتخابات میں اس کے حق رائے

> **ان سب باتوں کا یہ نتیجہ برآمد ہونے والا ہے کہ رائے دہندگان کو کسی خاص مسئلہ یا نظریہ پر انہیں متحد کرنے کے بجائے امیدوار حضرات مذہب ذات اور جنس کی بنیاد پر لوگوں کی حمایت حاصل کرنے کے لئے اپنی جد وجہد تیز کر دیں گے۔**

دہندگی کی رو سے امیدوار کی حیثیت سے خود کو رجسٹرڈ کرانے کا حق بھی دیا گیا اسی لئے کوئی شخص جو سکم کے ووٹر لسٹ میں ہے وہ مدھیہ پردیش کی ودھان سبھا کی نشست پر منتخب ہونے کا امیدوار ہو سکتا ہے۔

آئین وضع کرنے والے افراد اس حقیقت کا پورا شعور رکھتے تھے کہ شہریوں کے دو زمرے یعنی شیڈولڈ کاسٹ اور شیڈولڈ ٹرائب ایسے ہیں جو پیدائش، ذات،

سولہویں باب کو بھی شامل کیا گیا۔

ریزرویشن: آرٹیکل 330 اور 232 کی تحت لوک سبھا اور ودھان سبھا میں شیدولڈ کاسٹ اور شیڈولڈ ٹرائب کے لئے نشستیں مخصوص رکھی گئی ہیں۔ ایک اور فرقہ ایںگلو انڈین افراد کا ہے جنہیں برطانوی حکومت کے خاتمہ کے بعد اپنے ساتھ ناانصافی کا اندیشہ تھا اسے بھی آرٹیکل 331 اور 333 کے تحت لوک سبھا اور ودھان سبھا میں نمائندگی دی گئی۔

ابتدا میں تمام تر ریزرویشن ایک دہے کی مدت کے لئے دیئے گئے تھے لیکن وقتاً فوقتاً اس مدت میں توسیع ہوتی گئی اور آرٹیکل 334 کے مطابق اب اس کو دستور کے آغاز سے پچاس سال سمجھ لیا گیا ہے۔

دستور کے آرٹیکل 15 اور 16 میں ان پسماندہ طبقوں کو سرکاری ملازمتوں میں ریزرویشن دینے کی گنجائش رکھی گئی ہے جن کی نمائندگی پبلک سروس میں ناکافی ہے۔ پارلیمنٹ یا صوبائی قانون ساز اسمبلی میں انتخابی عہدوں سے متعلق کوئی ریزرویشن فراہم نہیں کیا گیا ہے۔

اس کی وجہ ظاہر ہے۔ قوم نے علیحدہ الیکٹوریٹ قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے اس لئے شیڈولڈ کاسٹ یا شیڈولڈ ٹرائب کے علاوہ کسی اور طبقے کے لئے

استثنائی حالت: دستور میں اس کی ابتدا سے آج تک صاف طور پر فراہم کردہ شق کے باوجود دستور ساز اسمبلی نے اس رائے کی طرف واضح اشارہ کیا ہے کہ شیڈولڈ کاسٹ اور شیڈولڈ ٹرائب کے لئے ریزرویشن کو بھی مخصوص مدت کے لئے استثنائی حیثیت حاصل رہے گی اور اسی لئے ہم نے دستور میں باب 19 اور 9 (الف) کا اضافہ کیا ہے جس میں جس چیز کو علیحدہ الیکٹوریٹ کہا جاتا ہے لوکل گورنمنٹ کے میدان سے متعلق رکھا گیا ہے۔ میری مراد یہاں بڑے بھونڈے انداز سے سوچی اور تحریر کی گئی آئین کی 73 ویں اور 74 ویں ترمیمات ہیں۔

آرٹیکل D۔243 اور T۔243 میں دیہی اور لوکل باڈیوں کے ریزرویشن کی پوری تفصیل شامل ہے۔ شیڈولڈ کاسٹ اور شیڈولڈ ٹرائب کے لئے نشستیں مخصوص تو کی جاتی ہیں جس میں سے ایک تہائی نشستیں عورتوں کے لئے ہوں گی اس کے

مرے کے لئے بھی

نشستوں کا ایک

کے علاوہ پسماندہ

رو ہوں گی۔

سطح کی پنچایت اور

ہیں بلکہ سرپنچ، چیئر

ریزرویشن کی بنیاد

تخصیص مختلف

باری کے حساب

نشستیں سٹ کے

کچھ شیڈولڈ کاسٹ

لئے اور کچھ پسماندہ

جاسکتا ہے کہ عوام

خاطر میں لائے بغیر

اربوں کارپوریشن، میونسپلٹی یا پنچایت عورت کو اپنا سربراہ بنانا چاہتی ہے تو صرف خاتون امیدوار کا انتخاب ہی ان عہدوں کے لئے ممکن ہو سکتا ہے۔

ان سب باتوں کا نتیجہ یہ ہونے والا ہے کہ رائے دہندگان کو کسی مخصوص مسئلہ، نظریہ یا انہیں متحد کرنے کے بجائے امیدوار حضرات مذہب، ذات اور جنس کی بنیاد پر ووٹر کی حمایت حاصل کرنے کے لئے اپنی جدوجہد تیز تر کر دیں گے۔ سماجی تفریق کے باعث ملک میں پہلے ہی سے کافی انتشار ہے۔ لوکل باڈی انتخابات میں ریزرویشن کی پخ لگا کر شاید ہم اس تفریق کو اور شدید کر دیں گے۔

> **پیدائش کی بنیاد پر پہلے سے منقسم سماج کو شاید ہم اور سکڑنے پر مجبور کر دیں گے۔ اور ایک وقت ایسا آئے گا جب اپنے آپ علیحدہ الیکٹوریٹ بن جائیں گے جہاں پر ووٹر صرف اپنے گروہ سے متعلق امیدوار کو ووٹ دے گا۔ اس قسم کا ریزرویشن نافذ کرنے کا منصوبہ جن افراد نے بنایا ہے انکے ذہن میں ایک بھیانک شر چھپا ہوا ہے جو ہندوستان کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے پر آمادہ ہے۔**

پیدائش کی بنیاد پر پہلے سے منقسم سماج کو شاید ہم اور سکڑنے پر مجبور کر دیں گے اور ایک وقت ایسا آجائے گا جب اپنے آپ مختلف علیحدہ الکٹوریٹ بن جائیں گے جہاں پر ووٹر صرف اپنی بات یا گروہ سے متعلق امیدواروں کے حق میں ووٹ دے گا۔ لوکل گورنمنٹ انتخابات میں اس طرح کے ریزرویشن نافذ کرنے کا منصوبہ جن افراد نے بنایا ہے ان کے ذہن میں ایک بھیانک شر چھپا ہوا ہے جو ہندوستان کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے پر آمادہ ہے۔

سویڈن میں حالیہ ترین انتخابات کے نتائج کے اعلان کے مطابق وہاں ایک ایسی پارلیامنٹ بنی ہے جس میں 41 فیصد ممبران خواتین ہیں اور جس کی نصف کابینہ عورتوں پر مشتمل ہے۔ سویڈن میں کوئی کوٹہ یا ریزرویشن کا طریقہ رائج نہیں ہے۔ اصل بات صرف یہ ہے کہ وہاں کا سماج صحیح معنوں میں آزاد ہے جہاں عورتوں نے اپنے حقوق تسلیم کرائے ہیں اور سیاسی جماعتیں اگر زندہ رہنا چاہتی ہیں تو اقتدار میں انہیں برابر کا حصہ دینا پڑے گا۔

اس صورت حال کے برعکس ہندوستان میں کسی پارٹی کی طرف سے انتخابی میدان میں اتارے گئے امیدواروں میں عورتوں کی تعداد بہ مشکل پانچ فیصد ہوتی ہے اور امیدوار کا انتخاب ذات و طبقہ سے اس کی وابستگی کی روشنی میں کیا جاتا ہے نہ کہ اس کی صلاحیت کی بنیاد پر۔ اس لئے ضرورت ہے کہ دستور میں اصلاح کے بجائے سیاسی جماعتیں اپنی اصلاح کریں۔ انہیں چاہیے وہ باہم اس پر رضامند ہوں کہ ہر طبقہ کی مناسب نمائندگی کے لے وہ شیڈولڈ کاسٹ، شیڈولڈ ٹرائب پسماندہ طبقات اور خواتین غرض کہ ہر زمرے کے امیدواروں کا انتخاب کریں۔ کیونکہ یہ مقصد ریزرویشن کی حدود کو وسعت دے کر نہیں حل ہوگا۔

دستور کی 73 ویں اور 74 ویں ترمیمات کو غالبا ہندوستان کی آئندہ تاریخ میں ایک ایسے واقعے سے تعبیر کیا جائے گا جو ملک کی سماجی سالمیت کو تباہ کرنے کا اہم سبب بنے گا۔

انگریزی سے ترجمہ

بقیہ: خطرناک مہم

وتوصیف کی جارہی ہے تو دوسری جانب اسے طعن وتشنیع کا نشانہ بنایا جارہا ہے تاکہ پھر آپس میں لگے جوتم پیزار ہونے اور ایسی حالت میں ایک عام آدمی خود اپنے ہی قومی نظام ابلاغ کی طرف سے تشکیک میں بتلا ہو جاتا ہے کہ یہ تو ایک موقف پر قائم ہی نہیں رہتا۔ یہی تشکیک اس نوبت کو پہنچ جاتی ہے کہ بی بی سی اور سی این این کی اطلاعات اسے زیادہ معتبر معلوم ہوتی ہیں۔ اس طرح خود اپنے ملک کے احوال کی طرف سے اس کی توجہ ہٹ جاتی ہے اور خارجی دنیا کے بارے میں واقفیت حاصل کرنے میں وہ زیادہ دلچسپی دکھاتا ہے۔

عرب یا اسلامی نظام ابلاغ اور عوام کو ایک دوسرے سے قریب کرنے کے لئے مغرب کے مقابل ایک ایسا متبادل لائحہ عمل وضع کرنا ہوگا جس میں اس بات پر خاصی توجہ دی جائے۔ خارجی دنیا خصوصا مغرب سے ابلاغی شکل میں اسلامی دنیا میں کیا آرہا ہے اور یہ کہ مغربی تہذیب ہمیں آہستہ آہستہ کس چیز سے روشناس کر رہی ہے۔ دوسرے یہ کہ مختلف عرب ذرائع ابلاغ کے درمیان جو کشیدگی اور چشمک کی فضا ہے اس کو ختم کیا جائے تاکہ عرب عوام کے سامنے حقیقت کا اصل روپ سامنے آسکے اور اپنے قومی نظام اعلام میں ان کا اعتماد بحال ہو سکے۔

بقیہ: ہم ایٹمی پروگراموں کو

تعمیر کرنے میں کم وبیش کامیاب ہوگیا ہے۔ جس سے اب وہ پلوٹونیم کی پیداوار کے سلسلے میں خود کفیل ہونے کے ساتھ ساتھ ان ممالک کی صف میں شامل ہو جائے گا جو خود کو اہم نیوکلیائی قوت تصور کرتے ہیں۔

امریکہ کے ساتھ ساتھ پاکستان کو ہندوستان کے نیوکلیائی پروگراموں سے بھی شدید خطرہ لاحق ہے جس کا اظہار وہ وقتاً فوقتاً کرتا رہا ہے۔ "نیوکلیونک ویک" کے مطابق پاکستان نے واضح طور پر امریکہ کو متنبہ کیا ہے کہ اگر ہندوستان اپنے پلوٹونیم پیداوار کی مقدار میں تخفیف پر راضی نہ ہوا یا وہ اپنے پلوٹونیم کے ذخیرے میں پاکستان کے تناسب میں تخفیف نہیں کرتا ہے تو پاکستان اپنے ری ایکٹر کے پیداواری عمل کو شروع کر دے گا۔

ماہرین کا خیال ہے کہ پاکستان کے ذریعہ اپنی نیوکلیائی اسلحہ سازی میں توسیع واضافے کی دھمکی کا استعمال محض امریکہ کی جانب سے پریسلر ترمیم کے تحت نافذ پابندی کو اٹھانے کی غرض سے کیا جارہا ہے۔ جس کے تحت پاکستان کو اکتوبر 1990 سے ہی امریکی فوجی اور معاشی امداد روک دی گئی ہے۔ امریکہ کا اصرار ہے کہ پاکستان جب تک اس بات کی ضمانت نہیں دیتا کہ اس کے پاس کوئی نیوکلیائی اسلحہ نہیں ہے۔ اس وقت تک اس کے خلاف امریکی پابندیاں جاری رہیں گی۔

دوسری جانب پاکستان امریکہ سے اس بات پر شدید برہم ہے کہ کلنٹن انتظامیہ پاکستان کے ساتھ امتیازی سلوک کر رہا ہے اور وہ پاکستان کو ایف 16 جنگی جہازوں کی ادائیگی کرنے میں ناکام رہا ہے، جس کا سودا وہ پریسلر ترمیم سے قبل ہی کر چکا ہے، جس کی رقم کی ادائیگی بھی پاکستان کر چکا ہے، کیونکہ پچھلے دنوں اپنے لندن کے سفر کے دوران بے نظیر بھٹو نے کہا کہ اگر امریکہ نے پاکستان کے خلاف پریسلر پابندی نہیں ہٹائی تو پاکستان کے سامنے کوئی دوسرا راستہ نہ ہوگا۔ سوائے اس کے کہ وہ اپنے نیوکلیائی پروگراموں کو پایہ تکمیل تک پہنچائے اور نیوکلیائی اسلحہ سازی کے ذریعہ اپنی دفاعی قوت میں اضافہ کرے۔

بنگلہ دیش میں خواتین کا میڈیکل کالج

غربت و افلاس اور آفات و انتشار کی تاریکی میں ایک مینارِ نور

بنگلہ دیش بالعموم سیلاب کی تباہ کاریوں یا سیاسی انتشار کی وجہ سے خبروں میں رہتا ہے۔ لوگ ایسی خبروں کے اس قدر عادی ہو گئے ہیں کہ بنگلہ دیش کو سیلاب، غربت اور سیاسی انتشار کے مجموعے سے تعبیر کرنے لگے ہیں۔ لیکن اسی ملک کے باشندے زین الحق سکدر سماجی و تعلیمی کاموں میں مصروف ہیں۔ ایک کامیاب تاجر اور صنعت کار سکدر نے حکومت کی تعلیم کو نجی سیکٹر کو دینے کی پالیسی کے اعلان کے بعد سے بنگلہ دیش میں کئی تعلیمی و سماجی ادارے قائم کئے ہیں۔ ڈھاکہ میں اپنی ماں کے نام سے انہوں نے ایک اسلامی اسکول اور کالج قائم کیا ہے۔ اس کے علاوہ ایک اسلامی اسکول، ایک دواخانہ، ایک مسجد، ایک کالج اور غریب بچوں کے لئے ایک گھر انہوں نے اپنے آبائی گاؤں کالا بنک پولہ میں قائم کیا ہے۔ یہ سارے ادارے 25 ایکڑ زمین پر پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ سارے کام زین الحق سکدر خود اپنی نگرانی میں کرتے ہیں۔ یہ اس فائدہ مند مشغولیت کے علاوہ ہے جو انہیں بینکنگ، صنعت، زمینوں کی خرید و فروخت اور دوسرے تجارتی کاموں میں مصروف رکھتی ہے۔

زین الحق سکدر ویمنس میڈیکل کالج 1992ء میں قائم کیا گیا۔ یہ کالج جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، صرف عورتوں میں میڈیکل تعلیم عام کرنے کے لئے مخصوص ہے اور پورے ملک میں اپنی نوعیت کا پہلا کالج ہے۔ کالج کی ڈگریاں ڈھاکہ یونیورسٹی سے منظور شدہ ہیں۔

اگر چہ اس پرائیویٹ کالج میں کل 100 طالبات کے لئے گنجائش ہے مگر 1992ء کے پہلے سیشن میں صرف 25 لڑکیوں نے داخلہ لیا۔ 1993ء میں 63 لڑکیوں نے داخلہ لیا۔ اگرچہ 1994ء سیشن کی تعداد معلوم نہیں ہو سکی لیکن پوری امید ہے کہ اسمیں اضافہ ہوا ہوگا۔

کالج کے اساتذہ کافی پڑھے لکھے اور اپنے فن کے ماہر ہیں۔ کالج کے ریکٹر ایم۔ اے۔ بی۔ صدیق بھی جو کافی دور رس ہیں۔ تیسرے سال کے آغاز سے قبل ہی انہوں نے ضرورت کے مطابق بہترین اساتذہ کا پہلے ہی تقرر کر لیا ہے تاکہ عین وقت پر طالبات کو پریشانی نہ ہو۔

داخلے کے لئے طالبات کا انتخاب تحریری و زبانی امتحان کے نتیجے کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ ہر طالبہ کو داخلہ لینے سے پہلے ایک طبی بورڈ کے ذریعہ فٹ نیس سرٹیفکیٹ حاصل کرنا ہوتا ہے۔

دوسرے ممالک کی طالبات کے لئے بھی کالج کے قوانین کے مطابق داخلے کی گنجائش ہے۔ سر دست 20 سیٹیں ان کے لئے مخصوص کی گئی ہیں جنکی منظوری کی درخواست حکومت کے زیر غور ہے۔

کالج میں ابھی صرف ایم بی بی ایس کی تعلیم ہو رہی ہے۔ یہ ایک پانچ سالہ ڈگری کورس ہے۔ اس دوران ہر طالبہ کو تین پروفیشنل امتحان دینے ہوں گے۔ امتحان میں بیٹھنے کی اجازت صرف اسی طالبہ کو ہوتی ہے جو 75 فیصد کلاسوں میں حاضر رہی ہو۔

کالج سے ملحق اسکا اپنا اسپتال ہے جسمیں پانچ سو بستروں کی گنجائش ہے۔ اس اسپتال میں تشخیص اور علاج کے لئے تمام جدید آلات فراہم کئے گئے ہیں۔

کالج کا اپنا ہوسٹل بھی ہے جس میں طالبات کا رہنا ضروری ہے۔ اب تک 88 طالبات میں سے 63 ہوسٹل میں رہ رہی ہیں جبکہ بقیہ ڈھاکہ میں واقع اپنے گھروں سے روزانہ آتی جاتی ہیں۔ کالج کا اپنا

> علم دوست شخصیت زین الحق سکدر کی خدمات یقینا قابل قدر ہیں۔ 125 ایکڑ زمین پر اسلامی اسکول، دواخانہ، مسجد، کالج، بچوں کے لئے گھر اور جدید سہولیات سے آراستہ اسپتال کا قیام بنگلہ دیش جیسے ملک میں ایک قابل فخر کارنامہ سے کم نہیں۔

صرف پاس ہونے کے لئے ہر مضمون میں اوسطا 50 فیصد مارکس حاصل کرنا ضروری ہے جبکہ آنرز کے لئے 75 فیصد نمبر حاصل کرنے ہوں گے۔ آخری امتحان پاس کرنے کے بعد ہر طالبہ پر ایک سالہ انٹرن شپ لازمی ہے جو وہ کالج سے ملحق اسپتال میں انجام دے گی۔

ایک آڈیٹوریم بھی ہے جس میں 500 افراد کے بیٹھنے کی گنجائش ہے۔ طالبات و اساتذہ کی غیر نصابی دلچسپیوں کے لئے بھی سہولتیں مہیا کی گئی ہیں۔ پورا کالج 30 ایکڑ زمین پر واقع ہے جسکے ارد گرد ایک مصنوعی نہر بنائی گئی ہے تاکہ کیمپس کو خوبصورت بنایا جاسکے۔ عالمی ادارہ صحت کے بنگلہ دیش میں موجود نمائندے پروفیسر میکونے حال ہی میں اس کالج کا معائنہ کرنے کے بعد اس میں موجود سہولتوں کی کافی تعریف کی تھی۔

زین الحق سکدر کے جذبہ خدمت سے متاثر ہو کر شہر ڈھاکہ کے بہت سارے مشہور اور نمایاں ڈاکٹروں نے کالج کے لئے اپنی خدمات پیش کی ہیں۔ وہ نہ صرف طالبات کو پڑھاتے ہیں بلکہ اسپتال میں داخل ہونے والے مریضوں کا علاج بھی کرتے ہیں۔

کالج انتظامیہ دوسرے ممالک سے طبی ماہرین کی خدمات حاصل کرنے کا بھی پروگرام بنا رہی ہے جس سے نہ صرف طالبات استفادہ کریں گی بلکہ بہت سارے مریض جو دوسرے ممالک میں علاج کے لئے جاتے ہیں وہ بیماری کی حالت میں سفر کی زحمت اور مہنگے علاج سے بھی بچ جائیں گے۔ کالج کے اسپتال میں مریضوں کو لانے اور لے جانے کے لئے ایک بہت ہی اچھی اور موٹر ایمبولینس سروس کا بھی انتظام ہے۔

بنگلہ دیش میں ناقص طبی سہولیات کے پیش نظر زین الحق سکدر کی کوشش ہر اعتبار سے قابل تحسین ہے۔ اس سے نہ صرف بنگلہ دیشی خواتین کو اعلی تعلیم کے مواقع حاصل ہوئے ہیں بلکہ مریضوں کو بھی آسان اور سستا علاج مہیا ہوا ہے۔

بقیہ: الجیریائی حکومت کی نیند حرام

باغی ملک کے بیشتر حصوں خصوصا دیہاتی علاقوں پر قابض ہیں۔ ریس کی یہ فلم الجیریا کی خفیہ جنگ 19 نومبر کو بی بی سی کے دوسرے چینل پر دکھائی گئی اس فلم میں پہلی بار الجزائر کے "مسلم باغیوں" کے بارے میں موقع پر جمع کی گئی اطلاعات فراہم کی گئی ہیں۔ فلم میں الجزائری فوجوں کو ایکشن کی حالت میں بھی دکھایا گیا ہے اسی کے ساتھ فوج اور باغیوں کی گولیوں سے زخمی ہوئے لوگوں سے انٹرویو بھی لئے گئے ہیں۔

اسلامی نجات پارٹی کے بعض رہنماؤں کی مدد سے ریس نے "باغیوں" کے کنٹرول والے علاقے میں 2 سو کلو میٹر کا سفر کیا۔ یہ سفر ایک ایسی جیپ میں ہوا جو کبھی پولس کے استعمال میں تھی۔ ریس کے ساتھ جو مجاہد ان کی حفاظت کے لئے تھے اور جن کی ذمہ داری انہیں اپنے رہنماؤں سے ملاقات کرانے کی تھی، وہ مشین گن، کلاشنکوف اور دوسرے ہلکے ہتھیاروں سے لیس تھے۔ پورے دو سو کلو میٹر کے سفر میں حکومت کی فوج یا پولس کا کہیں نام و نشان نہیں تھا۔

حکومت باغیوں یا مجاہدین کو شکست خوردہ دہشت گرد کہتی ہے مگر بی بی سی فلم سے پتہ چلتا ہے کہ وہ انتہائی منظم اور جنگجو قوت ہیں۔ "خفیہ جنگ" کے مطابق اسلامی نجات پارٹی کی فوجی ونگ آرمی آف اسلامک سالویشن جس نے ریس کے اس سفر کا اہتمام کیا تھا، شمالی افریقہ میں تین جغرافیائی حصوں میں بٹی ہوئی ہے۔ دیہاتوں میں یہ آرمی تقریبا سو چھوٹی بڑی یونٹوں میں بٹی ہوئی ہے۔ کمانڈ اور کنٹرول جدید ٹکنالوجی کی عدم موجودگی میں بھی کافی موثر ہے۔ حکومت ان مجاہدوں پر صرف ہیلی کاپٹر گن شپ سے حملہ کر سکتی ہے جس کے خلاف نگرانی کے لئے مجاہدین پہاڑوں کی بلندیوں پر چھپے رہتے ہیں اور جیسے کسی ہیلی کاپٹر کو دیکھتے ہیں، اپنے دوسرے ساتھیوں کو آئینہ کی مدد سے باخبر کر دیتے ہیں تاکہ وہ ہوشیار ہو جائیں۔

اپنے سفر کے دوران ریس نے مجاہدین کے اطلاعاتی مرکز، یونیفارم اور بندوقوں کی بلیٹ بنانے والی فیکٹری، ایک فوجی اسپتال جسے مجاہدین کے ڈاکٹر چلا رہے ہیں اور بم بنانے کی ایک فیکٹری کا بھی دورہ کیا۔ ایک اطلاعاتی مرکز پر ریس نے دیکھا کہ مختلف خطوں کے نقشوں کے علاوہ وہاں فیکس مشین، ٹیلی فون اور کمپوٹر وغیرہ موجود تھے جہاں سے فیلڈ میں سرگرم مجاہدین کو پیغامات بھیجے جاتے ہیں۔

بی بی سی کی دستاویزی فلم آرمی آف اسلامک سالویشن اور زیادہ شدت پسند "مسلح اسلامی گروپ" کارکنوں کے تعلقات پر بھی روشنی ڈالتی ہے۔ دونوں کے درمیان کسی قسم کی کشیدگی کے بجائے بڑے اچھے تعلقات ہیں ریس کے ایک گائڈ کے مطابق دونوں گروہوں کی ساخت اور طریقہ کار مختلف ہیں مگر دونوں کا مقصد ایک ہے یعنی ایک اسلامی جمہوریہ کا قیام۔ ریس کے اس سوال کے جواب میں کہ مغربی باشندوں کو کیوں قتل کیا جا رہا ہے ایک اسامہ نامی مجاہد نے کہا کہ "اگر مغربی حکومتیں موجودہ الجزائری حکومت کی امداد بند کر دیں تو یہ دو ہفتہ میں گر جائے گی"۔ مگر مغربی باشندوں کو قتل کرنے کی ذمہ داری آرمی آف اسلامک سالویشن کے بجائے زیادہ تر "مسلح اسلامی گروپ" پر عائد ہوتی ہے جو کھلم کھلا اس کا اعتراف بھی کرتا ہے۔

ریس کی دستاویزی فلم دیکھنے کے بعد کوئی بھی اندازہ کر سکتا ہے کہ الجزائر کی فوج اپنے "مسلم باغیوں" کے خلاف ایک ہاری ہوئی جنگ لڑ رہی ہے۔ مگر الجزائر کے موجودہ نظام کے مراعات یافتہ اپنے عوام کی خواہشات کا احترام کرنے کے بجائے انہیں کچلنے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں۔ دیہاتی علاقے وہ پہلے ہی کھو چکے ہیں اور اب شہروں میں بھی مجاہدین فوج سے دو دو ہاتھ لے رہے ہیں جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ فوج کا کنٹرول ہر جگہ کمزور پڑتا جا رہا ہے۔ الجزائر میں مزید خوں ریزی سے بچنے کا واحد راستہ یہی ہے کہ فوج نے 1992 میں عام انتخابات ملتوی کر کے جس غلطی کا ارتکاب کیا تھا اس پر معافی مانگتے ہوئے زمام اقتدار ان لوگوں کے حوالے کر دے جو ملتوی کئے گئے انتخابات تقریبا جیت چکے تھے۔

> دیہاتی علاقے وہ پہلے ہی کھو چکے ہیں اور اب شہروں میں بھی مجاہدین فوج سے دو دو ہاتھ لے رہے ہیں جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ فوج کا کنٹرول ہر جگہ کمزور پڑتا جا رہا ہے۔ الجزائر میں مزید خوں ریزی سے بچنے کا واحد راستہ یہی ہے کہ فوج نے 1992 میں عام انتخابات ملتوی کر کے جس غلطی کا ارتکاب کیا تھا اس پر معافی مانگتے ہوئے زمام اقتدار ان لوگوں کے حوالے کر دے جو ملتوی کئے گئے انتخابات تقریبا جیت چکے تھے۔

شیخ عمر عبدالرحمن کی رہائی کے لئے مدد کیجئے

امریکی حکومت نے معروف اسلامی اسکالر شیخ عمر عبدالرحمن کو گرفتار کر کے سلاخوں کے پیچھے ڈال دیا ہے۔ یہ اسلام اور امریکی مسلمانوں کی سراسر توہین ہے۔ امریکہ ایک مریض اور نابینا عالم کی آواز محض اس بنا پر دبانا چاہتا ہے کہ وہ اسلامی اسکالر ہیں۔ رسول مقبول اور ان کی ازواج کی شان میں گستاخی کے مرتکب سلمان رشدی کے لئے آزادی اظہار کے حق کی آواز بلند کرنے والے لوگ شیخ عمر عبدالرحمن کی مذمت اس لئے کر رہے ہیں کہ انہوں نے حسنی مبارک کی آمریت کے خلاف ایک منظم مہم شروع کر رکھی ہے۔ اور یہودی اخبارات میں انہیں مسلم دہشت گرد کے طور پر دکھایا جا رہا ہے۔

شیخ عمر عبدالرحمن کے وکلا کی جانب سے تیار کردہ دفاعی کاغذات کو حال ہی میں ایک غیر قانونی چھاپے کے دوران ضبط کر لیا گیا ہے اور یہود نواز جج نے ان کے وکلاء اور دوسرے مسلمانوں کو شیخ کی قانونی مدد کرنے سے روک دیا ہے۔ ایک مسلمان کی حیثیت سے ہمیں اس ظلم کے خلاف آواز بلند کرنی چاہیے۔ کیونکہ دہشت گرد شیخ عمر عبدالرحمن نہیں بلکہ حسنی مبارک ہیں۔

شیخ کو آپ کے تعاون کی ضرورت ہے۔ اللہ سے خوف کھائیے اور کلمہ حق بلند کرتے ہوئے شیخ کی مدد کیجئے ورنہ ایک نابینا عالم دین اور حافظ قرآن پر مظالم کے مزید پہاڑ توڑے جاتے رہیں گے۔

وکلاء کے اخراجات پورے کرنے کے لئے فنڈ کی سخت ضرورت ہے۔ مزید معلومات اور رقم ارسال کرنے کے لئے مندرجہ ذیل پتوں پر رابطہ قائم کریں۔

Committee to Free Sheikh
Omar Abdel Rahman
C/o Po. Box 143
College Park, MD20740
-0143
(301) 431-3281

Milli Parliament
4/1176 D
New Sir Syed Nagar
Aligarh-202002
Ph : +91-571400182

ہوشیار! اب آپ کی خلوت گاہوں میں جھانکے گی جاپان کی جاسوسی آنکھ

پچھلے دنوں جب تومیئچی مورایاما گذشتہ 46 برسوں میں جاپان کے پہلے سوشلسٹ وزیر اعظم بنے تو وہاں کے انٹلی جنس محکمہ میں سکتہ طاری ہوگیا، کیونکہ پڑوسی ملک شمالی کوریا سے سوشلسٹوں کے قریبی روابط ہیں، وہ اس کے حق میں نہیں ہیں کہ جاپان انٹلی جنس کے میدان میں جدید صلاحیتوں کا حامل بن سکے۔ ایک سینئر سرکاری افسر کے مطابق مورایاما حکومت قطعی نہیں چاہتی کہ لوگ اسے پڑوسیوں کے گھروں میں جھانکنے والا کہیں۔

چونکہ محکمہ انٹلی جنس، وزارت خارجہ اور انصاف کے افسران کے پاس شمالی کوریا سے متعلق کچھ انتہائی حساس قسم کا مواد ہے، اس لئے وہ اس بات سے خوفزدہ ہیں کہ موجودہ حکومت میں کہیں وہ راز فاش نہ ہوجائیں۔ ان کے اس اعتماد میں بھی کمی آئی ہے کہ وہ جاپان کی جاسوسی کی صلاحیتوں میں اضافہ کی وکالت کریں خصوصا جاپان کے پہلے جاسوس سیٹلائیٹ کے نصب کرنے پر زور ڈالیں۔ حالانکہ دفاعی حلقوں میں اس بات کا معاہدہ موجود ہے کہ جاپان اطلاعات کے معاملے میں امریکہ پر انحصار کے اپنے رویے کو بتدریج بدلیگا۔ اور الیکٹرانک سیٹیلائٹ اور انسانی انٹلی جنس کی اپنی صلاحیتوں میں اضافہ کرے گا۔ ایک سینئر ایئر فورس افسر کے مطابق سچائی تو یہ ہے کہ ہمیں اپنی انٹلی جنس اور خفیہ محکمہ میں تیزی سے ترقی کرنی چاہیے اور کسی دوسرے ملک پر انحصار کو ختم کرکے اطلاعات کے میدان میں ہمیں خودکفیل ہونا چاہیے۔ ابھی تک جاپان اطلاعات کے معاملے میں امریکہ پر انحصار کرکرتا تھا لیکن اب اس نے خود کو اس سے آزاد کرانے کی کوشش شروع کردی ہے کیونکہ جاپانی افسران کا خیال ہے کہ امریکہ اس معاملے میں صرف اپنی پسند کی اطلاعات جاپان کو پہنچاتا رہا ہے اس لئے جاپانی حکومت نے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں اپنی مستقل سیٹ کے لئے مہم تیز کردی ہے۔ دراصل جاپان اب اس معاملے میں امریکہ پر منحصر نہیں رہنا چاہتا۔ کیونکہ اس کے خیال میں امریکہ اس بہانے جاپان پر کچھ بیجا دباؤ بھی ڈالتا رہا ہے۔ مثال کے طور پر خلیجی جنگ کے دوران جب جاپان نے اتحادی افواج میں شرکت سے خود کو الگ کرلیا تو امریکہ نے انتقامی طور پر خلیج کے متعلق معلومات کی فراہمی میں انتہائی بخالت سے کام لیا اور جاپان کو اس سلسلے میں بہت ہی محدود اطلاعات فراہم کیں۔ نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف ڈیفنس اسٹڈیز کے ریسرچ ڈائرکٹر مساشی نشی ہارا کا کہنا ہے کہ کچھ لوگوں کو اس بات کا خدشہ ہے کہ امریکہ صرف منتخب اطلاعات فراہم کرکے ہمارے ساتھ چالاکی کرتا ہے۔ اس لئے اگر ہم بین الاقوامی معاملات میں کوئی رول ادا کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں مزید آزاد انٹلی جنس کی ضرورت ہے۔ تاکہ ہم اطلاعات کے سلسلے میں کمزور نہ رہیں، اطلاعات کی عدم حصولیابی کے سبب جاپان بین الاقوامی معاملات میں کوئی رول ادا کرنے میں اکثر پیچھے رہ جاتا ہے۔ مثال کے طور پر جب 1991 میں گوربا چوف کے خلاف بغاوت کی کوشش ہوئی تو جاپان اس بارے میں کوئی بیان جاری کرنے میں بہت پیچھے تھا۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ اسے وہاں کے بارے میں صحیح معلومات حاصل نہیں ہورہی تھیں کہ دراصل روس میں کیا ہورہا ہے اسے یہ بھی معلوم نہیں ہوسکا تھا کہ بحران کے دوران واشنگٹن کس طرح بورس یلتسن کے ساتھ تعاون کررہا ہے۔

جاپان کے پاس اطلاعات کی فراہمی اور جاسوسی کے فرائض انجام دینے کے لئے نہ امریکہ کی سی آئی اے جیسا کوئی محکمہ ہے نہ ہی برطانیہ کے ایم۔16 جیسا کوئی کارگر نظام۔ اسے مختلف وزارتوں سے وابستہ چھوٹی چھوٹی خفیہ ایجنسیوں سے ہی خبریں اور اطلاعات موصول ہوتی ہیں۔ حالانکہ دفاعی ایجنسی یہ صلاحیت رکھتی ہے پھر بھی ابھی تک وہ کوئی جاسوس سیٹیلائیٹ نصب کرنے میں ناکام ہے اور جاپان میں اس کی بڑی کمی محسوس کی جارہی ہے۔ اس کے پاس ایسے تجربہ کار تجزیہ نگاروں کی بھی کمی ہے جو اس خطے سے متعلق حاصل شدہ اعداد وشمار کا جائزہ لے سکیں۔ وزارت انصاف کے تحت کام کرنے والی پبلک سیکورٹی انوسٹی گیشن ایجنسی اس وقت امریکہ کی اپنی اہم رتبہ ایجنسی ہیں جن سے انتہائی اہمیت اختیار کرگئی تھی جب شمالی کوریا سے متعلق اس کی کوششیں کامیاب ہوئی تھیں لیکن اس کے باوجود اس ایجنسی سے وابستہ 1810 افراد بیرون ملک کی سرگرمیوں پر اپنی توجہ مرکوز کرنے کے بجائے اندرون ملک کی سرگرمیوں پر زیادہ مرکوز کرتے ہیں۔ وزارت خارجہ اور وزیر اعظم کے سکریٹریٹ میں بھی انٹلی جنس انالیسیس بیورو موجود ہے تاہم اس کا عملہ جو دوسرے درجے کے سفارتکاروں اور افسر شاہوں پر مشتمل ہے صرف مختلف ممالک کے سفارتخانوں اور اخبارات کی رپورٹوں پر ہی اپنی توجہ مرکوز کرتا ہے۔ بیورو کے پاس اپنی کوئی انٹلی جنس نہیں ہے جو خبریں اور اطلاعات آزادانہ طور پر یکجا کرسکے۔

جاپان کے ماہرین جاسوس کی یہ خواہش رہی ہے کہ وہ ایک ڈیفنس انٹلی جنس ایجنسی قائم کریں جو ایک ہی چھت کے نیچے کام کرے اور جس کے قیام کے بعد کسی دوسری ایجنسی پر منحصر نہ رہا جائے۔ اس مجوزہ ایجنسی کے دفتر کے لئے ایک عمارت ٹوکیو کے کیمپ اشی گایا میں زیر تعمیر ہے تاہم اس ایجنسی کے قیام کی اجازت پر نظرثانی ہورہی ہے کیونکہ ڈیفنس ایجنسی کے افسران کا خیال ہے کہ اس سے سیاسی توڑ جوڑ کی بوآتی ہے۔ انسٹی ٹیوٹ فار انٹرنیشنل پالیسی اسٹڈیز کے ریسرچ ڈائرکٹر تو کا کہنا ہے کہ دوسری جنگ عظیم میں فوج کے ذریعے اقتدار کے ناجائز استعمال کے تجربے کے بعد سی آئی اے کی مانند کسی بھی ادارے کی تشکیل کے خلاف زبردست رجحان پایا جاتا ہے۔ جاپانی حکومت کے لئے یہ ایک بہت ہی سنگین نوعیت کی بات ہے کچھ دفاعی افسران بھی اس کے حق میں معلوم نہیں ہوتے۔ دفاعی معاملات میں حکومت کے ایک مشیر سیکی نشی ہیرو کا کہنا ہے کہ ہمارے پاس تو ابھی انٹلی جنس کے ماہرین ہی نہیں ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم پہلے تمام قسم کے ماہرین پیدا کریں۔

1969 میں جو ڈائٹ ریزولیوشن پاس ہوا تھا اس میں جاپان کے ذریعے فوجی اسپیس کے استعمال پر پابندی عائد کردی گئی تھی۔ جاپان کی ڈیفنس ایجنسی جو جاسوس سیٹیلائیٹ نصب کرنے میں بہت ہی پرجوش دکھائی دیتی ہے، وہ اس قرارداد سے ضرور واقف ہوگی۔ تو کیا سیٹیلائیٹ کے نصب کرنے سے اس کی خلاف ورزی ہوگی؟ جاپان ایسے معاملات میں لچکدار رویہ اپنا سکتا ہے۔ وہاں کے آئین میں بھی کسی اسٹینڈنگ آرمی پر پابندی عائد کی گئی ہے۔ البتہ وہ قابل ذکر تعداد میں خود حفاظتی فورس کی تشکیل ضرور کرسکتا ہے لیکن جاپان جاسوس سیٹیلائیٹ نصب کرنے میں مصروف ہے۔ ساتو کا کہنا ہے کہ ہم دس برسوں میں کامیاب ہوجائیں گے اور ہم اسے اس سیٹیلائیٹ کہیں گے۔

> جاپان کے پاس اطلاعات کی فراہمی اور جاسوسی کے فرائض انجام دینے کے لئے نہ امریکہ کی سی آئی اے جیسا کوئی محکمہ ہے نہ ہی برطانیہ کے ایم۔16 جیسا کوئی کارگر نظام۔ اسے مختلف وزارتوں سے وابستہ چھوٹی چھوٹی خفیہ ایجنسیوں سے ہی خبریں اور اطلاعات موصول ہوتی ہیں۔ حالانکہ دفاعی ایجنسی یہ صلاحیت رکھتی ہے پھر بھی ابھی تک وہ کوئی جاسوس سیٹیلائیٹ نصب کرنے میں ناکام ہے اور جاپان میں اس کی بڑی کمی محسوس کی جارہی ہے۔

"بیک روم" تک رسائی آمس کے لئے وبال جان بن گئی

ڈبل ایجینٹ کے تعلق سے مزید سنسنی خیز انکشافات

گذشتہ اپریل میں ترپن سالہ سی آئی اے ایجنٹ آلڈریچ آمس جسے نو سال تک سوویت یونین کے لئے سراغرسانی کے جرم میں سزا ہوئی تھی اس کے بارے میں کچھ نئے انکشافات حال ہی میں ہوئے ہیں۔ امریکی میگزین "ٹائم" کو دستیاب ہونے والی خفیہ دستاویزات سے جن میں آمس کے معاملے کی تحقیق پپ مامور انسپکٹر کی رپورٹ بھی شامل ہے یہ معلوم ہوا ہے کہ ایجنسی نے اس شخص کے ساتھ کتنا شاطرانہ سلوک کیا۔ آمس کی کمتر کارکردگی اور سی آئی اے مخالف سازش میں اس کی شرکت کے پختہ ثبوتوں کے باوجود اس کے معاملے کو کئی سال تک نظر انداز کیا گیا اور ایسا کرنے میں آمس کے باپ جو سی آئی اے کے دیرینہ بلانوش کارکن تھا اور اس کے دوست کا بڑا ہاتھ تھا۔

سی آئی اے کے جہاں دیدہ کارکنان اور اس کے ڈائرکٹر کے درمیان خاصا تنازعہ کھڑا ہوگیا جب مؤخر الذکر کے علم میں آیا کہ آمس کے معاملے کی تحقیق کرنے والے ایک ریٹائرنگ فیلڈ افسر کو 29 ستمبر کو انعام دیا جانے والا ہے۔ وہ افسر جس کا نام ملٹن بیرڈن ہے جون میں سی آئی اے چیف کی حیثیت سے ریٹائر ہوا ہے اور افغانستان سے سوویت فوجوں کو بھگانے میں مسلم باغیوں کی مدد کرنے کے سلسلے میں کافی مقبول رہ چکا ہے۔ لیکن اس شہرت کے برعکس یہ بات بھی ہے کہ 1989 میں سراغرسانی کا سربراہ رہنے کے دوران آمس پر کڑی نگرانی نہ رکھنے کے لئے اس کی سرزنش بھی کی گئی ہے۔ اور اسی لئے سی آئی اے ڈائرکٹر نے حکم جاری کیا تھا کہ آمس کے معاملے کی تحقیق پر مامور کسی بھی افسر کے عہدے یا تنخواہ میں نہ تو ترقی کی جائے اور نہ ہی انہیں کوئی توصیفی سند دی جائے۔

> اسی لئے سی آئی اے ڈائرکٹر نے حکم جاری کیا تھا کہ آمس کے معاملے کی تحقیق پر مامور کسی بھی افسر کے عہدے یا تنخواہ میں نہ تو ترقی کی جائے اور نہ ہی انہیں کوئی توصیفی سند دی جائے۔ اس حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کے عہدے میں ڈائرکٹر مذکور نے تنزلی کردی اور اس لئے دونوں افسروں نے کمتر عہدے قبول کرنے کے بجائے مستعفی ہونے کو زیادہ بہتر سمجھا۔

اس حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کے عہدے میں ڈائرکٹر مذکور نے تنزلی کردی اور اس لئے دونوں افسروں نے کمتر عہدے قبول کرنے کے بجائے مستعفی ہونے کو زیادہ بہتر سمجھا۔

"ٹائم" کو دستیاب دستاویزات میں مبصروں کو کافی مسالہ ہاتھ آجائے گا۔ بعض خاص انکشافات حسب ذیل ہیں۔

آمس نے ایک ایسی اسکیم تیار کی تھی جس کے تحت وہ ایف بی آئی ایجنٹوں کو شک میں ڈالے بغیر کے جی بی تک پہنچ جائے۔ اپریل 1985 میں اس نے سوویت سفارت خانے کے ایک ذمہ دار فرد چواکن سے ملنے کی تدبیر نکالی تھی۔ چواکن ایسی کسی ملاقات سے لاعلمی کا اظہار کررہا ہے اور آمس کا کہنا ہے کہ اس نے چواکن کو بتایا تھا کہ اسے خارجہ پالیسی سے متعلق اہم مسائل پر گفتگو کرنی ہے۔ دوسری طرف اسی دوران اس نے ایف بی آئی اور سی آئی اے دونوں کو یہ بتایا کہ وہ چواکن کو بھرتی کرنا چاہتا ہے۔ لیکن چواکن سے اپنی تفصیلی ملاقات کی رپورٹ آمس پابندی سے درج نہ کرسکا۔ اگر سی آئی اے کے منیجران آمس کی حرکات وسکنات پر کڑی نگاہ رکھتے تو اس کی چالبازی کو یقینا بھانپ سکتے تھے۔ درحقیقت آمس نے ابھی اسی سال سی آئی اے کو بتایا کہ اس نے چواکن کو تو کے جی بی تک پہنچنے کی ایک سیڑھی کے طور پر استعمال کیا تھا۔ جب وہ سوویت سفارت خانے میں چواکن سے ملنے گیا تو ایک لفافہ پر ایک سینیر کے جے بی افسر کا نام لکھ کر اسے ریسپشنسٹ کی طرف سرکا دیا۔ لفافے میں ان تین کے جے بی افسران کے نام درج تھے جنہوں نے سی آئی اے کو اپنی خدمات رپیش کی تھیں اور جنہیں سی آئی اے سوویت یونین کے وفادار یا

آمس کی صلاحیت اسکے لئے عذاب بن گئی

ڈبل ایجینٹ کی حیثیت سے جانتی تھی۔ اس سی آئی اے کے رازوں تک آمس کی رسائی کا اندازہ ہوا اور سی آئی اے کی ایک ڈائرکٹری کے نامکمل ورق پر جو منظر عام پر نہیں آسکا پچاس ہزار ڈالر کا مطالبہ درج تھا۔

جون 1985 میں دو تین کلو خفیہ دستاویزات ایک بیگ میں بھر کر وہ سی آئی اے ہیڈ کوارٹر کے محافظوں کو چکمہ دے کر لے گیا اور کے جی بی کے حوالے کردیا۔ ان دستاویزات میں ایسے دس روسی ایجنٹوں کے نام تھے جنہیں مغربی خفیہ ایجنسیوں نے سوویت یونین کے فوجی اور سیاسی راز چرانے پر مامور کر رکھا تھا۔

آمس کی حرکات نے سی آئی اے کو اتنا چوکنا کیا کہ سوویت یونین ان کے اطلاعاتی نظام میں خلل ڈال رہا ہے۔ اس لئے انہوں نے کچھ فرضی اشارے فیلڈ آفس میں پھیلا دئے تاکہ کے جی بی کی طرف سے کوئی رد عمل ہو لیکن کچھ بھی نہیں ہوا۔ آخر کار جنوری 1986 میں سی آئی اے ڈائرکٹریٹ آف آپریشن کے سوویت ڈویژن کے سربراہ کو خیال گذرا کہ یہ سب کہیں کسی آدمی کے ٹوٹ جانے کی وجہ سے نہ ہو رہا ہو۔ لہذا اس نے حساس دستاویزات تک عام افسران کی رسائی بند کردی اور اس مقصد سے ایک "بیک روم" تعمیر کردیا گیا۔ اور بیک روم تک رسائی رکھنے والے چند افسران میں آمس بھی شامل تھا۔ یہی بات اس کے لئے وبال جان بن گئی۔

کسی سے آپکی دوستی اسلامی فرائض کی تکمیل میں آڑے تو نہیں آ رہی ہے؟

مخلوط تعلیم کے اسکولوں میں بیشتر دیکھنے میں آیا ہے کہ کسی طالب علم اور طالبہ کے درمیان دوستانہ تعلقات کافی گہرے ہوجاتے ہیں۔ ایسی ایک صورت حال میں ایک تیسرے طالب علم نے اپنے دوست جوڑے کے تعلقات پروان چڑھنے میں مدد دی یہاں تک کہ جب دونوں کے درمیان بعض اختلافات اور مشکلات پیدا ہوئیں تو بھی دوست مدد کو آیا۔ لیکن کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد تیسرے دوست کو اچانک یہ احساس ہوا کہ اس کے دوست طالب علم اور طالبہ اپنی دوستی کی گرہیں تو ضرور مضبوط کر رہے تھے لیکن اسی کے ساتھ ہی اپنے اسلامی فرض سے غفلت کے مرتکب بھی ہو رہے تھے۔ اس تیسرے دوست کو جس کی عمر جب بارہ سال تھی تو ایک لڑکے اور لڑکی کے درمیان بے روک ٹوک ملنا جلنا اسے فطری معلوم ہوتا تھا لیکن جب ان تعلقات کے نتیجے میں اس کے دوست کے روزے چھوٹنے لگے تو اس کا ذہن دوسرے انداز میں سوچنے لگا۔ اب اس نے یہ نتیجہ نکالا کہ اگر اس لڑکی سے اس کی ملاقات ابھی مزید چند سالوں بعد شروع ہوئی ہوتی تو وہ اس میں زیادہ ذمہ دارانہ طرز عمل اختیار کرتا اور دوستی کو قائم رکھتے ہوئے بھی وہ اسلامی فرائض پر کاربند رہتا۔

> جب ان تعلقات کے نتیجے میں اس کے دوست کے روزے چھوٹنے لگے تو اس کا ذہن دوسرے انداز میں سوچنے لگا اب اس نے یہ نتیجہ نکالا کہ اگر اس لڑکی سے اس کی ملاقات ابھی مزید چند سالوں بعد شروع ہوئی ہوتی تو وہ اس میں زیادہ ذمہ دارانہ طرز عمل اختیار کرتا اور دوستی کو قائم رکھتے ہوئے بھی وہ اسلامی فرائض پر کاربند رہتا

اس ضمن میں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ وہ اس بات کا یقین کرلیں کہ ان کے بچے ایسی تعلیم حاصل کررہے ہیں جو ان میں کسی بھی صورت حال میں مثبت رد عمل کی صلاحیت پیدا کرے کہ جس سے وہ خود یہ فیصلہ کرسکیں کہ ان کی تعلیم ان کے اسلامی رجحانات کے فروغ میں معاون ثابت ہورہی ہے یا اس میں حارج ہورہی ہے۔ اسکولوں پر بھی کافی حد تک اس کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ جو تعلیم وہ دیتے ہیں اس میں صرف قومی نصاب کا ہی احاطہ نہیں کرنا چاہئے بلکہ اخلاقی اقدار واصول پر بھی یکساں توجہ ہونی چاہئے تاکہ بچے زندگی کے مختلف حالات کے مطابق کسی رد عمل کا اظہار کرسکیں اور اپنے اولین اہمیت والے کاموں کا تعین کرسکیں۔ مذکورہ واقعے میں اسکول میں زیر تعلیم لڑکے اور لڑکی کی مدد کرنے والے دوست کے اندر بیدار ہوتے اس اولیت کے احساس نے یہ سمجھنے میں اس کی رہنمائی کی کہ جن حالات میں اس نے اپنے دوستوں کی مدد کی تھی وہ اب ہاتھ سے نکل چکے ہیں اور ناقابل قبول مرحلے تک پہونچ چکے ہیں۔ یہیں اس بات کی ضرورت ہے کہ وہ حساس طالب علم

اپنے اس احساس کی مزید آبیاری کے لئے اسلامی اصول واقدار کا مطالعہ کرے۔ یہاں اس کے والدین کو مدد کرنی چاہئے کہ وہ نجی طور پر یا کسی دوسرے اسکول میں اس کی دینی تعلیم کا انتظام کریں۔ ایک بات یہاں واضح کردینا ضروری ہے کہ مغربی اصطلاح میں جسے "ڈیٹنگ" کہا جاتا ہے۔ مسلمان لڑکوں اور لڑکیوں کے درمیان ملاقات کی جو مخلوط تعلیم کے اسکولوں اور کالجوں میں عام ہے کوئی عمر اسلام نے متعین نہیں کی ہے کیونکہ وہ ایسے تعلقات کا قائل ہی نہیں ہے۔ اگر کسی رشتے کو اسلام کی منظوری حاصل ہے تو وہ رشتہ ہے جو طرفین کے خاندانوں کے درمیان طے ہوا اور شادی کی صورت میں انجام پایا۔

"اگر ایسا ہے تو آپ اپنی بیوی کی موت کا سبب بن رہے ہیں"

فقہی سوال اور ان کے جواب

سوال: ڈراونا خواب دیکھنے پر سنت کے مطابق کیا کرنا چاہیے۔

جواب: خواب دیکھنے پر عام قاعدہ جس کی ہدایت رسول صلعم نے دی ہے یہ ہے کہ اگر کوئی خوش کن خواب دیکھا جائے تو وہ ایسے کسی شخص سے بیان کرو جس کو وہ پسند کرتا ہو اور اس شخص سے ہرگز نہ بیان کرو جو اسے ناپسند ہو مبادا وہی بات نہ پیش آجائے جو یوسف کے بھائیوں نے ان کے ساتھ کی۔ لیکن ڈراونا خواب دیکھنے کی صورت میں چاہئے کہ کھڑے ہوکر تین بار اپنے بائیں طرف تھوکے اور یہ کہے کہ اے اللہ میں شیطان کے شر سے اور جو کچھ میں نے دیکھا ہے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ اس کے بعد دوسری طرف کروٹ بدل لیں۔ اور اس خواب کا کسی سے ذکر نہ کریں کیونکہ وہ آپ کو انشاء اللہ کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ اس ضمن میں چار باتیں یاد رکھنے کی ہیں۔ بائیں جانب تھوکنا، شیطان کے اور خواب دیکھی ہوئی ڈراونی باتوں کے شر سے اللہ کی پناہ طلب کرنا۔ دوسری طرف کروٹ بدلنا اور کسی سے اس کا ذکر نہ کرنا۔

> عدت کی مدت ختم ہونے سے پہلے واضح طور پر شادی کی بات چلانا بھی جائز نہیں ہے مگر اس میں کوئی حرج نہیں ہے بہت خاموشی سے شادی کی تجویز اس کے سامنے رکھی جائے اور اس بات کا اعلان نہ کیا جائے۔ اللہ نے تعریض کو مباح اور تصریح کو غیر مباح قرار دیا ہے اور اس میں بڑی حکمت پوشیدہ ہے۔

سوال: کسی کو اگر شک ہوجائے کہ اسے سحر یا آسیب ہوگیا اور وہ ایسے آدمی سے رجوع کرے جو اسے یہ بتائے کہ ایسا کوئی اثر اس پر ہے یا نہیں۔ اس کے بارے میں آپ کا خیال ہے۔

جواب: آدمی کو اس طرح کے اوہام میں الجھنا نہیں چاہئے بلکہ اسے چاہئے کہ اللہ پر مضبوطی سے بھروسہ رکھے اور اپنے یقین کو کمزور نہ ہونے دے اور مسلمان پر واجب ہے کہ وسوسوں اور توہمات پر ہرگز اعتماد نہ کرے۔

سوال: کیا میں اپنی بیوی کے ایام حیض کے خاتمے لیکن غسل سے پہلے اس سے مباشرت کرسکتا ہوں؟

جواب: ایام حیض کے خاتمہ کے بعد غسل سے پہلے مباشرت کی اجازت نہیں ہے۔ قرآن میں صاف مذکور ہے کہ فاعتزلوا النساء فی المحیض حتی یطہرن فاذا تطہرن فاتوھن من حیث امرکم

یہاں اللہ سبحانہ تعالی نے طہر اور تطہر کے درمیان فرق قائم کیا ہے۔ حالت حیض میں عورت کے پاس جانے سے منع کیا گیا اور اس سے فراغت اور پاکی کے بعد مباشرت کی اجازت دی گئی ہے۔ فقہا اور مفسروں نے بیان کیا ہے کہ عورت کی حیض سے پاکی تو خون کے رکنے کے بعد ہوجاتی ہے لیکن تطہر کی حالت غسل کے بعد ہی پیدا ہوتی ہے۔

سوال: میری قسمت میں ایک حادثہ ہونا تھا یہ کہ میری کار جو میں خود چلا رہا تھا پلٹ گئی اور میرے گھر کے افراد بھی ساتھ تھے۔ میری بیوی اس حادثے میں جاں بحق ہوگئیں اور مجھے بھی شدید چوٹیں آئیں، کئی جگہ سے ہڈی ٹوٹ گئی۔ اس سلسلے میں یہ فتوی میں حاصل کرنا چاہتا ہوں کہ اس حادثے میں اپنی بیوی کی موت کے کفارے کے طور پر مجھ پر روزہ یا صدقہ یا کوئی اور بات واجب ہے۔

جواب: اگر آپ لاپرواہی سے گاڑی چلا رہے ہوں یا آپ کی گاڑی میں مطلوبہ چیزوں میں سے کوئی چیز کم یا ناقص ہو اور آپ کی گاڑی کی حالت اور آپ کی صحت دونوں اطمینان بخش ہے تو ایسی صورت میں اپنی بیوی کی موت کا سبب بننے کے ثبوت موجود ہیں۔ اگر مذکورہ باتوں میں سے کوئی بات حادثے کا سبب بنی ہے تو آپ پر کفارہ واجب ہے اور وہ ہے ایک مومن غلام کو آزاد کرنا۔ اگر اس پر قدرت نہیں ہے یعنی یہ ممکن نہیں تو متواتر دو ماہ روزہ رکھنا اور صدقہ یا مسکینوں کو کھانا کھلانا اس کا نعم البدل نہیں ہے۔

سوال: شوہر کی وفات کے بعد عدت گزارنے والی عورت کے لئے کیا یہ جائز ہے کہ وہ اپنے بچوں کو نہلائے دھلائے اور ان کو عطر لگائے۔ اور دوران عدت شادی کی بات چلائے۔

جواب: عدت گزارنے والی عورت کے لئے عطر لگانا جائز نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلعم نے ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے لیکن اس میں کوئی حرج نہیں کہ وہ اپنے بچوں یا مہمانوں کو عطر پیش کرے اس طرح کہ وہ خود اس میں شریک نہ ہو۔ اور عدت کی مدت ختم ہونے سے پہلے واضح طور پر شادی کی بات چلانا بھی جائز نہیں ہے مگر اس میں کوئی حرج نہیں ہے بہت خاموشی سے شادی کی تجویز اس کے سامنے رکھی جائے۔ اور اس بات کا اعلان نہ کیا جائے۔ اللہ نے تعریض کو مباح اور تصریح کو غیر مباح قرار دیا ہے اور اس میں بڑی حکمت پوشیدہ ہے۔

یہ برق رفتار کار میں فون گھمائیے اور بات کیجیے

شہری اور دیہی علاقوں میں متحرک مواصلات کی سہولت فراہم کرنے میں "انمار پی سیٹلائٹ مواصلاتی نیٹ ورک" کا رول بہت اہم ہوگا۔ کئی ممالک میں اس نظام کو فوری آفتوں میں مصیبت زدوں کی جان بچانے اور راحت کاری کے مفید مقاصد میں استعمال کیا گیا ہے۔

عالم گیر موبائیل سیٹلائٹ سروس کا مقصد سیلولر ٹیلی فون کی رسائی کی حدود کو وسیع کرنا ہے اور اس مقصد میں "انمار سیٹ بین الاقوامی کو آپریٹو" ادارہ پوری طرح کامیاب ہے جو 1979 میں جہاز رانوں کی رہنمائی کے لئے لندن میں قائم ہوا تھا جو خشکی، پانی اور ہوا میں تجارتی اور ہنگامی سطحوں پر سیٹلائٹ کے ذریعہ مواصلاتی خدمات مہیا کرنے کا واحد ادارہ ہے جس میں ڈائرکٹ ڈائل ٹیلی فون، ٹیلیکس فیسمیل اور الکٹرانک میل کے علاوہ بحری اور فضائی معلومات اور ہوائی جہاز میں ڈائرکٹ ڈائل پسنجر ٹیلی فون بھی شامل ہیں۔

"انمار سیٹ" سے فائدہ اٹھانے والے زیادہ تر لوگ انمار سیٹ A ٹرمنل یا ان کے دستی ماڈل استعمال کرتے ہیں۔ بحری کشتیوں پر اگر اس کو استعمال کرنا ہوتا اس کے لئے ایک میٹر سے کم قطر کے اینٹینا بنائے گئے ہیں یہ ٹرمنل مع تہہ دار اینٹینا کے ایک یا دو سوٹ کیس میں باسانی سما جاتے ہیں۔ پرسنل سیٹلائٹ کمیونیکیشن سروس کی سمت میں پیش رفت کرتے ہوئے انمار سیٹ نے ایک اور ٹرمنل "انمار سیٹ C" کے نام سے بنایا ہے جو متحرک مواصلات میں ان دنوں زیادہ تر استعمال ہو رہا ہے۔ اس کی خوبی یہ ہے کہ کاروں اور دیگر گاڑیوں میں بھی اسے نصب کیا جا سکتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اسے اتنا مختصر کر دیا گیا ہے کہ ایک بریف کیس میں رکھا جا سکے تاکہ تاجر پیشہ افراد جو اکثر باہری دوروں پر رہتے ہیں وہ دستی کمپیوٹروں اور اس ٹرمنل کی مدد سے متعلقہ بزنس پارٹیوں سے مطلوبہ اطلاعات اور فائلیں حاصل کر سکیں۔ بین الاقوامی مواصلاتی نیٹ ورک سے رابطہ دنیا کے مختلف ممالک میں قائم ذیلی زمینی اسٹیشنوں کے ذریعہ پیدا کیا جاتا ہے۔ اس وقت پوری دنیا میں آٹھ ہزار انمار سیٹ ٹرمنل کام کر رہے ہیں۔

انمار سیٹ کی ایجاد کے بعد بھی اس کی ضرورت باقی رہ گئی تھی کہ اس ٹرمنل کو مزید مختصر کیا جائے لہذا دسمبر 1992 میں پہلی بار انمار سیٹ M سروس کا آغاز ہوا۔ انمار سیٹ M کا مکمل طور پر ڈیجیٹل ٹیلی فون جس میں ڈیٹا اور فیسمیل دونوں سہولتیں حاصل ہیں بری اور بحری دونوں سطحوں پر مقبول ہو رہا ہے اور یہ مختلف شکلوں اور بریف کیس اور دستی دونوں سائزوں میں دستیاب ہے۔

مواصلات کی دنیا میں تازہ انقلاب

برق رفتار کار میں بیٹھ کر فون گھمائیے اور بات کیجئے

کسی انگریزی فلم یا ناول سے یا غیر ملک میں مقیم کسی عزیز یا دوست کی زبانی یہ جان کر ہمیں ضرور حیرت ہوتی ہوگی کہ انسان کار میں بیٹھا ہوا کہیں جا رہا ہو اور جب اس میں لگے ہوئے ٹیلی فون سے بات چیت کرے یا اسے کوئی فون کرے۔ یہی نہیں بلکہ ایسے خوش قسمت لوگوں پر رشک بھی آتا تھا لیکن یہ حیرت اب حقیقت بن کر چلتے پھرتے ٹیلی فون کی شکل میں ہمارے سامنے موجود ہے اور اس کے نظارے کے لئے ہمیں دیار غیر کی طرف آنکھ اٹھانی نہیں پڑے گی کیوں کہ عنقریب خود اپنے ملک کے ہی چار بڑے شہروں یعنی بمبئی، کلکتہ، مدراس اور دہلی میں ہم کاروں کے اندر اس طرح کے ٹیلی فون لگے ہوئے دیکھیں گے۔ جدید کاری کی سمت میں ہماری اس پیش رفت کا سبب یہ ہے کہ انیسویں صدی کی دہلیز پر کھڑے ہوئے عالمی معاشرے میں تجارتی، صنعتی اور یہاں تک کہ سیاسی سرگرمیوں کے قدم بھی ملکی حدود سے باہر نکل چکے ہیں۔ اس نوعیت کے ٹیلی فون کو سیلولر ٹیلی فون کہا جاتا ہے۔ جو موبائیل ٹیلی فون کے سلسلے کی پہلی کڑی ہے۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اس کا تعلق سیل یعنی بیٹری سے ہے جس کی طاقت سے چلتا ہے۔ ٹیلی فونی پیغامات کی ترسیل اور وصولی کے لئے اینٹینا کے ارد گرد نفوذی علاقہ اسی سیل کے ذریعہ پیدا ہوتا ہے۔ سیلولر ٹیلی فون کے استفادہ کنندگان کار میں بیٹھے ہوئے دوطرفہ گفتگو کر سکتے ہیں۔

اسی طرح کے اینٹینا اور سیل متعلقہ شہروں میں جا بجا نصب کر دیئے جائینگے تا کہ شہر کی حدود میں کہیں بھی رہ کر اس سہولت سے فائدہ اٹھایا جاسکے۔ اس کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا جائے گا کہ مختلف مقامات پر نصب کردہ سیل اور اینٹینا کو باہم مربوط کر دیا جائے تا کہ چلتی ہوئی گاڑی سے باسانی کہیں رابطہ قائم کیا جاسکے دوسرے یہ کہ یہ پورا نظام متعلقہ ٹیلی کوم اتھارٹی کے زیر انتظام چلنے والے ٹیلی فون ایکس چینجوں سے مربوط ہوں گے۔ اس سے یہ سہولت ہوگی کہ بوقت ضرورت ایکس چینج کی مدد سے شہر یا ملک کے باہر بھی کسی سے رابطہ قائم کرنے کے لئے وہی ٹیلی فون کام میں لایا جاسکتا ہے۔

آج سے 33 سال پہلے موبائیل ٹیلیفون کا نظام کوریا میں زیر عمل آیا تھا جس کا دائرہ کار سیول شہر تک محدود تھا۔ یہ صورت حال وہاں 1988 تک رہی جس کے بعد اسے وسعت دے کر تمام شہروں اور شاہراہوں سے جوڑ دیا گیا۔ شاہراہوں پر مقررہ فاصلوں پر لگے ہوئے ٹال فری سیلولر ٹیلی فون مسافروں کو ہنگامی امداد کی فراہمی میں بہت معاون ثابت ہوتے ہیں۔

اگرچہ محدود پیمانے پر ہی، ہندوستان میں موبائیل فون کی سہولت کا آغاز کرنے میں دہلی کو اولیت حاصل ہے۔ منافع کے امکانات اور ترقی یافتہ نظام مواصلات سے فائدہ اٹھانے میں یہاں کے تاجروں کی گہری دلچسپی کے پیش نظر حکومت اس نتیجہ پر پہنچی کہ سیلولر ٹیلی فون ان کے لئے خاصا کار آمد ثابت ہوگا۔ سیلولر ٹکنولوجی کی مختلف قسمیں ہیں۔ ان میں ایک "اے ایم پی ایس" ہے جو ابھی تک معروف رہی ہے۔ لیکن اب اس کی جگہ "جی ایس ایم" نے لے لی ہے اور یورپی ممالک کے ساتھ ہندوستان نے بھی اس ٹکنولوجی کو معیار بنایا ہے۔

تجارت کے روز بروز وسیع تر ہوتے ہوئے امکانات اور مختلف ذرائع سے لوگوں کی بڑھتی ہوئی آمد و رفت نے عالم گیر مواصلاتی نظام کو جدید تہذیب کا اٹوٹ حصہ بنا دیا ہے۔ مواصلاتی ضروریات کی تکمیل میں آج ساکت اور متحرک دونوں طرح کی ٹیلی کوم سہولیات کے نیٹ ورک کو بروئے کار لایا جا رہا ہے تاہم ایک جامع عالم گیر مواصلاتی نظام کی تشکیل میں موبائیل سیٹلائٹ سروس کا فروغ وقت اور حالات کی اہم ترین ضرورت ہے۔ متحرک ذرائع مواصلات کی بڑھتی ہوئی مانگ اور مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ گذشتہ ایک دہائی کے اندر زمین پر نصب کی جانے والی مواصلاتی خدمات سے استفادہ کرنے والوں کی تعداد میں کئی گنا اضافہ ہوا ہے اور اس صدی کے اختتام تک ان کی تعداد 23 ملین سے بڑھ کر سو ملین ہو جائے گی۔ اب لوگوں کو یقین ہو چلا ہے کہ وہ خواہ کہیں بھی ہوں دوسرے انسانوں سے رابطہ قائم کر سکتے ہیں۔ باوجود اس کے کہ سیلولر ٹیلی فون اور پرسنل کمیونیکیشن نیٹ ورک میں توسیع ہو رہی ہے

اس کی خوبی یہ ہے کہ کاروں اور دیگر گاڑیوں میں بھی اسے نصب کیا جاسکتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اسے اتنا مختصر کر دیا گیا ہے کہ ایک بریف کیس میں رکھا جاسکے تاکہ تاجر پیشہ افراد جو اکثر باہری دوروں پر رہتے ہیں وہ دستی کمپیوٹروں اور اس ٹرمنل کی مدد سے متعلقہ بزنس پارٹیوں سے مطلوبہ اطلاعات اور فائلیں حاصل کر سکیں

لیکن اقتصادی عوامل دور افتادہ علاقوں تک ان کی رسائی میں حائل ہیں۔

پرسنل موبائل سیٹلائٹ سروسز کے قیام کے ساتھ ان کے متعلقہ آلات اور مشین بھی سستی ہو جائیں گی اور اسی کے ساتھ دنیا بھر کے بازاروں میں وہ آسانی سے دستیاب بھی ہونے لگیں گی۔ ایک اندازے کے مطابق سن 2000 تک پرسنل موبائل سیٹلائٹ کمیونیکیشن سے فائدہ اٹھانے والوں کی تعداد دس لاکھ سے زیادہ ہو جائے گی اور اس کے بعد کی دہائی کے اندر یہ تعداد کئی گنا بڑھ جائیگی۔

بقیہ صفحہ 17 پر

ویڈیو کانفرنسنگ کا کمال

فاصلے سمٹ گئے آپ روبرو ہو گئے

تبادلہ خیال، کارکردگی کے معیار و رفتار کے جائزے اور حکمت عملی وضع کرنے کی غرض سے مشاورتی میٹنگیں آج ہر طرح کی تجارت کی جان ہیں۔ لیکن اس کام میں جب لمبی مسافتیں حائل ہوں تو ان میٹنگوں کا اہتمام مشکل ہو جانے کے ساتھ ساتھ مالی طور پر زیر بار بھی کرتا ہے۔ لیکن سفر پر آنے والے اخراجات کو کم کرنے اور عمومی تاخیر سے محفوظ رہ کر ایسی مشاورتی میٹنگیں کرنے کی ایک ترکیب ہے یعنی ویڈیو کانفرنسنگ۔ ٹیلی فون کانفرنسنگ تو خاصی عام ہو چکی ہے جس سے ہم سب واقف ہیں۔

ویڈیو کانفرنسنگ کے ذریعے گویا ہزاروں میل کے فاصلے پر بیٹھے ہوئے مختلف افراد ایک کمرے میں یکجا ہو جاتے ہیں۔ مشترک مونیٹر۔ کیمرہ یونٹ سے چند فٹ کے فاصلے پر بیٹھ کر آپ کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ کے ساتھی میز کے دوسری جانب موجود ہیں اور قدرتی مکالمہ کی فضا پیدا ہو جاتی ہے بلکہ اوپن ساؤنڈ سسٹم کی بنیاد پر یہ ممکن ہے کہ آپ کسی کی بات کٹنے کی فکر کئے بغیر جب چاہیں اپنی بات کہہ سکتے ہیں وہ بھی اس طرح کہ جانبین کے چہرے کے تاثرات اور ہاتھ پیر کی حرکت بھی ایک دوسرے کو دکھائی دے گی۔ ویڈیو کانفرنسنگ پیچیدہ کسی طرح نہیں ہے بلکہ ریموٹ کنٹرول کے بٹنوں کی طرح اس کی تکنیک بھی منٹوں میں سمجھی جاسکتی ہے۔

ویڈیو کانفرنسنگ کی مدد سے آپ الیکٹرونک وہائٹ بورڈ استعمال کر سکتے ہیں سلائڈ اور نیگیٹو وغیرہ دکھا سکتے ہیں۔ پلان اور دستاویز کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔ مزید یہ کہ متعلقہ تمام افراد پوری کارروائی کو دیکھنے کے علاوہ جب چاہیں کسی بھی فاصلے سے ایک دوسرے سے گفتگو بھی کر سکتے ہیں بس صرف کمی رہ جاتی ہے کہ شرکاء گفتگو ایک دوسرے کو ضیافتاً چائے کافی یا سگریٹ نہیں پیش کر سکتے۔

ویڈیو کانفرنسنگ کی افادیت کے پہلے تجربے کے بعد سے ہی آپ اس بات کے قائل ہو جائیں گے کہ یہ تجارت کے فروغ کا جدید ترین آلہ ہے۔ اس کا سب سے بڑا فائدہ لاگت اور وقت کے اعتبار سے ہے۔ مثلاً تجارت کے تین شرکاء کو امریکہ سے ہندوستان آنا ہے تو ان کے سفر اور رہائش وغیرہ پر کل ملا کر تین لاکھ روپئے تو خرچ ہی ہو جائیں گے۔ سفر میں لگنے والے وقت کا نقصان تو ہوتا ہی ہے، خاصی تھکن بھی ہو جاتی ہے۔ اس کے برعکس ایک گھنٹے کے لئے ودیش سنچار نگم لمیٹڈ (وی ایس این ایل) کے ویڈیو کانفرنسنگ سسٹم کو کرایہ پر لینے میں کل پچاس ہزار روپئے کا خرچ ہے۔ اس کا فائدہ یہ بھی ہے کہ ایسی میٹنگیں خاصی نتیجہ خیز ثابت ہوتی ہیں کیونکہ کانفرنسنگ کی سہولت کی ایک مخصوص وقت کے لئے دستیابی لوگوں کو ذہنی طور پر آمادہ کر دیتی ہے کہ وہ پوری تیاری کر کے آئیں اور اپنی گفتگو کو زیر بحث موضوع تک ہی محدود رکھیں۔

ویڈیو کانفرنسنگ کے ذریعے گویا ہزاروں میل کے فاصلے پر بیٹھے ہوئے مختلف افراد ایک کمرے میں یکجا ہو جاتے ہیں۔ مشترک مونیٹر۔ کیمرہ یونٹ سے چند فٹ کے فاصلے پر بیٹھ کر آپ کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ کے ساتھی میز کے دوسری جانب موجود ہیں اور قدرتی مکالمہ کی فضا پیدا ہو جاتی ہے

ہندوستان میں ودیش سنچار نگم لمیٹڈ کے پبلک ویڈیو کانفرنسنگ کے دفاتر بمبئی دہلی کلکتہ اور مدراس میں ہیں جب کہ پورے یوروپ، شمالی افریقہ مشرق بعید میں پبلک ویڈیو کانفرنس سنٹروں کی مجموعی تعداد چار سو پچاس ہے۔ اس کے علاوہ پوری دنیا میں ہزاروں کمپنیوں کے پاس ذاتی ویڈیو کانفرنسنگ کی سہولت ہے اور وہ سب ودیش سنچار نگم لمیٹڈ کے ویڈیو کانفرنس سنٹروں کی پہنچ کے اندر ہیں۔ اس سسٹم کے تحت چھ شرکاء بیک وقت دو متوازی مانیٹروں کی مدد سے دکھائے جاسکتے ہیں۔ ایک سرے سے بھیجی جانے والی تصویروں میں سنسر کلر کیمرے کے مدد لی جاتی ہے۔ ایک مانیٹر دوسری سمت سے آنے والی تصویروں کے لئے مخصوص ہوتا ہے اور دوسرا مانیٹر فریق ثانی کی مطلوبہ اطلاعات و تصاویر دکھاتا ہے۔ یہ متوازی عمل کانفرنس کے تسلسل کو برقرار رکھتا ہے۔

اس سسٹم میں دو ہلکے مائیکروفون اور دو اندرونی لاؤڈ اسپیکر بھی شامل ہیں۔ نجی اور رازدارانہ گفتگو کے لئے آواز کو بند بھی کیا جاسکتا ہے تاکہ دوسرے نہ سن سکیں۔ اس کے علاوہ دوسرے سرے سے آتی ہوئی آواز کو حسب ضرورت گھٹانے بڑھانے کے لئے کنٹرولر بھی اس میں لگا ہوتا ہے بالکل اس طرح جیسے ٹیلی فون کی پشت پر لگے ہوئے سوئچ کو اوپر نیچے کر کے آواز ایڈجسٹ کر لی جاتی ہے۔ کانفرنس کے دوران مخصوص پورے سسٹم کے بارے میں مخصوص تکنیکی معلومات بھی ڈسپلے پر آتی رہتی ہیں۔ وائڈ بینڈ فری کوئنسی پر دونوں مائیکروفون کی آواز کھول دیئے جانے پر ہر دو جانب کے شرکاء کے درمیان گفتگو ہو سکتی ہے۔

لیکن ابھی انتظار کیجئے کہ آپ کی حیرت میں ابھی اور اضافہ ہونا ہے دشت امکان ہنوز نقش پا ہی ہے۔ ویڈیو کانفرنسنگ کی سطح پر مشاورتی میٹنگیں بیک وقت کئی مقامات پر کی جاسکتی ہیں۔ یہ سسٹم دو متوازی ملٹی پوائنٹ کانفرنسوں کی نگرانی کر سکتا ہے اور دوران کانفرنس ویڈیو کو آواز کے ذریعے یا ہاتھ سے ویڈیو کو کھولا یا بند کیا جاسکتا ہے۔ اور جیسا کہ آپ کو معلوم ہے آواز کے اثر سے آن اور آف ہونے والے سوئچ اب گھروں میں لگنے لگے ہیں جس سے بچوں کو اچھا مشغلہ ہاتھ آگیا ہے کہ جب چاہیں کھل جا سم سم کی طرح تالی بجا کر روشنی گل کر دیں۔

بہرحال ویڈیو کانفرنسنگ کو اگر صحیح زاویہ نگاہ سے دیکھا جائے تو اس میں بعض بیجا مصارف اور تضیع اوقات سے بچت اور تجارت کو ترقی دینے کے لئے بے پناہ امکانات چھپے ہوئے ہیں۔ ■ ■

کیا ایشیائی عوام مغربی بالادستی کے خلاف بغاوت کردیں گے؟

ماثر محمد اور ایک جاپانی مصنف کی مشترکہ کتاب سے مغربی ایوانوں میں بوکھلاہٹ

ملیشیا کے وزیراعظم ماثر محمد اپنے ملک کے ہر شعبہ حیات پر حاوی ہیں۔ بعض لوگوں کے نزدیک اقتدار پر ان کی مضبوط گرفت نے انہیں مغرور اور آمر بنا دیا ہے۔ ان لوگوں کے مطابق ان کے غرور اقتدار اور آمرانہ ذہنیت کا اظہار اس وقت ہوا جب انہوں نے الارقم کے سربراہ کو جیل بھیج دیا۔ لیکن چونکہ ان کے دور اقتدار میں ملیشیا نے معاشی میدان میں زبردست ترقی کی ہے اس لئے عوام کی اکثریت ان کی حامی نظر آتی ہے۔

ماثر محمد کی ایک خصوصیت ایسی ہے جس کا ہر کوئی اعتراف کرتا ہے۔ وہ یہ کہ وہ مغرب کی جارحانہ معاشی ودفاعی پالیسیوں کے زبردست مخالف ہیں۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ وہ بلاخوف وخطر مغرب کی ان جارحانہ پالیسیوں پر تنقید کرتے ہیں۔ ظاہر ہے اہل مغرب خصوصا ان کے ارباب اقتدار ماثر سے خدا واسطے کا بیر رکھتے ہیں۔

ماثر محمد کے خیالات جاپان کے مشہور قوم پرست ناول نگار شنتارو اشیہارا کے افکار سے کافی مماثلت رکھتے ہیں۔ اشیہارا نے 1989 میں ایک مقبول عام کتاب "وہ جاپان جو نہ کہہ سکے" یا The JapanthatCanSayNo تحریر کی تھی جس میں انہوں نے امریکی پالیسیوں اور ان کے تئیں جاپان کے رویے کی کھل کر مخالفت کی ہے، اب اس سے بھی آگے بڑھ کر انہوں نے ماثر کے ساتھ مل کر ایک نئی کتاب TheAsia ThatCanSayNo لکھی ہے۔ گزشتہ اکتوبر میں جاپان میں اپنی اشاعت کے بعد یہ کتاب مسلسل اور بڑی تیزی سے بک رہی ہے جس سے اس کی مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ جس طرح اپنی پہلی کتاب میں اشیہارا نے اپنے ہم وطنوں سے امریکہ کی جارحانہ معاشی پالیسیوں کا مقابلہ کرنے کی اپیل کی تھی اسی طرح اس دوسری کتاب میں انہوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ پورے ایشیا کے عوام ثقافتی طور پر برتر اور خوش وخرم خاندان کی طرح ہیں جب کہ اس کے برعکس مغرب ایک زوال پذیر معاشرہ ہے اگرچہ وہ اب بھی خطرناک ہے۔

> اس وقت بے مثال تاریخی عظمت کا حامل ایک ثقافتی علاقہ تخلیق کرنا ایشیا کے لئے ممکن ہے۔ جو چیز اہم ہے وہ یہ کہ ہم شعوری طور پر اپنے نظام اقدار کو برقرار رکھنے کی کوشش کریں اگر ہم ایسا کرسکے تو پھر کبھی دوبارہ مغرب کے تغلب میں نہ آسکیں گے۔

اس کتاب کے بعض حصے ماثر محمد نے تحریر کئے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اس وقت ایشیا کے پاس ایک نادر موقع ہے جسے استعمال کرکے وہ عظمت کی بلندیوں کو چھو سکتا ہے۔ وہ مغربی تہذیب کو زوال پذیر کہتے ہوئے لکھتے ہیں "اس وقت بے مثال تاریخی عظمت کا حامل ایک ثقافتی علاقہ تخلیق کرنا ایشیا کے لئے ممکن ہے۔ جو چیز اہم ہے وہ یہ کہ ہم شعوری طور پر اپنے نظام اقدار کو برقرار رکھنے کی کوشش کریں اگر ہم ایسا کرسکے تو پھر کبھی دوبارہ مغرب کے تغلب میں نہ آسکیں گے"

اشیہارا بھی کم وبیش ایسے ہی خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔ ان کے بقول ایشیائی عوام کو نہ صرف مغرب کے تجارتی مطالبات میں چھپی ہوئی لالچ کو دیکھنا چاہئے بلکہ فوجی طاقت کے اس خطرے کو بھی بھانپ لینا چاہئے جو ان مطالبات کی پشت پر ہے۔ ان کے اپنے الفاظ میں "یہ ایشیا کی ضرورت ہے کہ ایسے خود غرضانہ مطالبات یا اقدامات کو رد کردے۔ دراصل ایشیا کے پاس پہلے ہی اتنی معاشی طاقت ہے کہ وہ ایسا کرسکے۔

اشیہارا کے ساتھ یہ کتاب تصنیف کرکے دراصل ماثر اپنی اس تجویز کی حمایت میں جاپانی رائے عامہ کو ہموار کرنا چاہتے ہیں جس کے مطابق وہ جنوب مشرقی ایشیا کے ممالک کی ایک معاشی انجمن تشکیل دینا چاہتے ہیں جس میں صرف ایشیائی ممالک ہی شریک ہوں گے۔ ماثر نے یہ تجویز سب سے پہلے 1990 میں پیش کی تھی مگر جاپان نے مغرب کے خوف اور دباؤ سے اس کے تئیں سرد مہری کا رویہ اختیار کر رکھا ہے۔ مگر اپنی حکومت کے برعکس اشیہارا ماثر کی تجویز سے اتفاق کرتے ہوئے یہ اپیل کرتے ہیں کہ جاپان کو خوشحال مگر زوال پذیر مغرب کی بجائے ایشیا کے بارے میں سوچنا چاہئے جس سے وہ فطری اور بنیادی طور پر وابستہ ہے۔ مزید برآں جاپان کو نہ صرف خود کو ایشیا سے وابستہ کرنا چاہئے بلکہ بلاخوف وخطر ایشیا کی وکالت بھی کرنی چاہئے چاہے اس سے مغربی مفادات کو ٹھیس پہونچے۔ وہ بڑے واضح الفاظ میں لکھتے ہیں "جاپان ایشیائی خون کے ایشیائی عوام کا ایک ایشیائی ملک ہے۔ اسے اس امر کا احساس ہونا چاہئے کہ وہ ایشیا کے لئے قائم ہے نہ کہ امریکہ کے لئے"

اگرچہ ماثر نے اپنی 1990 کی "معاشی انجمن" کی تجویز میں بعض تبدیلیوں کے ذریعے اعتدال پیدا کرنے کی سعی کی ہے مگر اس کے باوجود جاپان شاید

> جاپان کو نہ صرف خود کو ایشیا سے وابستہ کرنا چاہئے بلکہ بلاخوف وخطر ایشیا کی وکالت بھی کرنی چاہئے چاہے اس سے مغربی مفادات کو ٹھیس پہونچے۔ وہ بڑے واضح الفاظ میں لکھتے ہیں "جاپان ایشیائی خون کے ایشیائی عوام کا ایک ایشیائی ملک ہے۔ اسے اس امر کا احساس ہونا چاہئے کہ وہ ایشیا کے لئے قائم ہے نہ کہ امریکہ

ان کی رائے سے اتفاق نہ کرسکے اس وقت امریکہ وجاپان کے تجارتی تعلقات میں کشیدگی پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ کوئی ایسا قدم اٹھانے سے خوف کھاتا ہے جس سے امریکہ میں موجود جاپان مخالف عناصر کو کسی قسم کی شہہ ملے۔ مگر امریکہ کے تئیں جاپان کا یہ رویہ اشیہارا کے لئے مایوس کن ہے۔ ان کی دلیل ہے کہ جاپان کو اپنے مفادات کے لئے آزادانہ طرز عمل اختیار کرنا چاہئے۔

کتاب میں ماثر اور اشیہارا نے بعض ایسے خیالات کا بھی اظہار کیا ہے جو ظاہر ہے اہل مغرب کو پسند نہ آئیں گے مثلاً ماثر کے بقول ایشیا کے تئیں مغرب کے نسل پرستانہ رویے کی بنیاد ان کا مذہب عیسائیت ہے جب کہ اسلام ایک زیادہ روادار مذہب ہے۔ اشیہارا بھی انفرادی حقوق سے متعلق مغرب کی انتہا پسندانہ اور غیر معتدل تعبیر وتشریح پر تنقید کرتے ہوئے امن ومفاہمت اور رواداری جیسی ایشائی قدروں کی حمایت کرتے ہیں۔ انفرادی حقوق یا فرد کے شخصی حقوق کے نام پر مغرب جس اباحیت پسندی کی تلقین کرتا ہے اشیہارا نے اسے بھی ہدف تنقید بنایا ہے۔ ان کے بقول اسی اباحیت پسندی کا نتیجہ ہے کہ مغرب میں ہم جنسی جیسی لعنت کو قانونی جواز مل گیا ہے۔ اسی طرح وہ بچوں کے ان شوقین حضرات (Pedophiles) کی بھی تنقید کرتے ہیں جو جنوب مشرقی ایشیا کے بچوں کو گود لے کر انہیں اپنے گھروں میں "جنسی غلام" کی طرح رکھتے اور ان کا جنسی استحصال کرتے ہیں، اشیہارا کا یہ خیال ہے کہ ایشیا میں چھڑی ہوئی بہت سی جنگوں کے پیچھے مغرب کا بودا "منصفانہ جنگ" یا JustWar کا تصور کارفرما ہے۔

مختصراً یہ کہ اشیہارا اور ماثر کا نقطہ نظر یہ ہے کہ ایشیا کے عوام مغرب کی بہ نسبت ایک اعلیٰ نظام اقدار کے حامل ہیں اسی طرح ایشیا کے اکثر علاقے خصوصاً جنوب مشرقی ایشیا کے ممالک ایک مشترکہ ثقافتی ورثے کے مالک ہیں جو انہیں معاشی تعاون کی راہ پر گامزن کرنے پر معاونت کرسکتا ہے۔

ظاہر ہے کہ اہل مغرب جو فوجی طاقت کے بل پر دنیا کی معاشیات اپنے مفادات کے تحت چلانا چاہتے ہیں وہ ماثر اور اشیہارا کے خیالات پر کافی جزبز ہوں گے۔ مگر جاپان اور دوسرے ممالک میں ان خیالات کی مقبولیت سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ایشیا کے عوام بتدریج مغرب کی مادہ پرستانہ ذہنیت اور ان کی خود غرضانہ پالیسیوں سے نہ صرف واقف ہوتے جارہے ہیں بلکہ شاید بہت جلد ان کے خلاف بغاوت بھی کردیں۔

کامیابی کا راز: ترسیل اور رابطہ نیز خالق حقیقی سے گہرا رشتہ

مغربی قلم کاروں کی اجارہ داری کو خطرہ

اپنی مدد آپ کے اصول سکھانے والے ادب کی تخلیق کے میدان پر ابھی تک مغربی اہل قلم کی ہی اجارہ داری رہی ہے لیکن ڈیل کارینگی سے منسوب اس کتاب میں عالم اسلام کے ادیبوں نے بھی طبع آزمائی کا خوش آئند آغاز کیا ہے موجودہ انتشار زدہ معاشرہ کے لوگوں کے ذہنوں اور خانگی حالات پر اثرات کے پیش نظر منظم زندگی گزارنے کے اصول وضوابط کی ضرورت ہمارے عہد میں زیادہ محسوس کی جارہی ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر ابراہیم ایچ القائد کی دو کتابوں کا نام خاص طور پر لیا جاسکتا ہے جن کے عنوان ہیں "دلیلک الشخصی للسعادہ والنجاح" (رہنمائے شادمانی وکامرانی) اور "مغرب میں مسلم طلباء۔ مسائل اور امکانات" ڈاکٹر ابراہیم القائد اس وقت شاہ سعود یونیورسٹی کے کالج آف لینگویجز اینڈ ٹرانسلیشن کے نائب ڈین اور ورلڈ اسمبلی آف مسلم یوتھ کے اسسٹنٹ سکریٹری جنرل ہیں۔ انہوں نے تدریس زبان اور دیگر لسانی موضوعات پر سات کتابیں تصنیف کی ہیں۔

پندرہ ابواب اور دو سو اسی صفحات پر مشتمل "رہنمائے شادمانی وکامرانی" انتظامی امور کے ایک گریجویٹ اور ایک کمپنی کے جنرل منیجر کے درمیان جہاں وہ نوجوان ملازم ہے مکالمے کی تفصیل ہے دونوں ایک ساتھ پندرہ روز کے لئے قاہرہ کی سیر کرنے جاتے ہیں۔ نوجوان ترقی کی منازل طے کرنے کے لئے اپنے مالک کے نقش قدم پر چلنے کا طریقہ اختیار کرتا ہے۔

پندرہ روزہ سیر وسیاحت کے دوران دونوں ہمسفروں کے درمیان روز ایک الگ موضوع پر گفتگو کو اس کتاب میں مصنف نے آسان اور دلچسپ انداز میں پیش کیا ہے۔ ہر بات میں جس بنیادی خیال پر تاکید کی گئی ہے وہ ہے ترسیل اور رابطہ اور اس کی دو سطحوں پر نشاندہی کی گئی ہے یعنی کہ ایک سطح پر خالق سے دوسری سطح پر مخلوق یعنی سماج ومعاشرے سے رابطہ۔ اور اس طرح مصنف نے اس نقطہ نظر کا اظہار کیا ہے کہ فرد کی خوشی اور اس کی کامیابی کا راز پوشیدہ ہے اس بات میں کہ اپنے خالق سے اس کا رشتہ کس نوعیت کا ہے اگر وہ

> پندرہ روزہ سیر وسیاحت کے دوران دونوں ہمسفروں کے درمیان روز ایک الگ موضوع پر گفتگو کو اس کتاب میں مصنف نے آسان اور دلچسپ انداز میں پیش کیا ہے۔ ہر بات میں جس بنیادی خیال پر تاکید کی گئی ہے وہ ہے ترسیل اور رابطہ اور اس کی دو سطحوں پر نشاندہی کی گئی ہے یعنی کہ ایک سطح پر خالق سے دوسری سطح پر مخلوق یعنی سماج ومعاشرے سے رابطہ۔

اس رشتے کو استوار رکھے گا تو اس دنیا کی مادی بقا اور آخرت کی روحانی بقا دونوں کی ضمانت اسے دی جاسکتی ہے۔ کتاب کے دوسرے ابواب میں اچھی اور بری عادات سے بحث کی گئی ہے۔ ذاتی اور اجتماعی فائدے کی غرض سے قوت اظہار کو بہتر بنانے، سائنسی خطوط پر یادداشت کو تیز کرنے، بچوں کی پرورش اور پڑوسیوں سے سلوک وغیرہ کے اصول بھی بیان کئے گئے ہیں۔

توبہ، مجاہدہ اور محاسبہ کی اہمیت کی وضاحت کے علاوہ کتاب کے اختتامیے کے طور پر ایسے سو اشارے بھی دیے گئے ہیں جن سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کتاب میں بتائے گئے اصول سے مستفید ہونے والا قاری ان پر عمل کرنے میں کسی حد تک کامیاب ہوا ہے۔ جیسا کہ خود ڈاکٹر القائد نے اشارہ کیا ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے بظاہر متضاد اسلامی اور مغربی تصورات کو روحانیت کے رشتے میں پرو دیا ہے اور اس سلسلے میں انہوں نے مسلم دانشور شیخ عبدالرحمان سعدی کے خیالات سے بہت استفادہ کیا ہے۔ جو یہ کہتے تھے کہ انسان کی خوشی کا انحصار خالق حقیقی سے اس کے ربط واتصال پر ہے۔ ڈیل کارینگی کی مشہور تصنیف "لوگوں کو دوست بنانے اور متاثر کرنے کے طریقے" کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ جو شخص کامیاب ہو کوئی ضروری نہیں کہ خوش بھی ہو لیکن مغربی فکر میں کامیابی کو ہی پوری اہمیت دی گئی ہے ڈیل کارینگی اور ان جیسے دوسرے لکھنے والوں ونسنٹ بیل اور جیمس ڈابیس نے بھی اس مفروضہ کی بنیاد پر تفکرات سے نجات اور پرسکون زندگی گزارنے کے بندھے ٹکے اصول وضع کیے ہیں لیکن کسی طرز فکر میں عمومی پہلوؤں کا احاطہ نہیں کیا گیا ہے اسی لئے ان کی افادیت بھی وقتی اور عارضی ہے۔

حال ہی میں ڈاکٹر القائد کی ایک اور تصنیف "مغرب میں مسلمان طلباء مسائل اور امکانات" کے نام سے شائع ہوئی ہے جس کا موضوع غیر ملکی یونیورسٹی میں زیر تعلیم مسلم طلباء کے لئے اورینٹیشن پروگرام کی فراہمی ہے۔ اس احصائیاتی نوعیت کی کتاب کے مطالعے سے یہ انکشاف ہوتا ہے کہ حصول علم کے لئے غیر ممالک کا رخ کرنے والے طلباء میں سے 80 فیصد امریکہ اور یوروپ جاتے ہیں۔ کتاب میں ان ثقافتی مسائل کا بھی احاطہ کیا گیا ہے جن سے یہ طلباء دوچار ہوتے ہیں۔ مسلم طلباء اور مغربی معاشرے سے تعلق رکھنے والے طلباء کے درمیان تقابل کے نتائج واثرات کا جائزہ بھی لیا گیا ہے۔

Invitation Price Rs. 3/-
16 - 31 December, 1994

The Milli Times International
(India's first International Urdu Weekly)
49, Abul Fazal Enclave, Jamia Nagar, New Delhi-110025 Phone:6827018

R.N.I. No. 57337/94
RGD. DL No. 16036/94

ہے کوئی جوان بندھے ہاتھوں کو کھول سکے

بوسنیائی مسلمانوں کی بے بسی کا ایک منظر ملاحظہ کیجئے جنہیں اوندھے منہ ہاتھ باندھ کر لٹا دیا گیا ہے اور جن کے درمیان ایک مسلح سر ان کی بے بسی سے لطف اندوز ہونے کے لئے بیٹھا ہے۔ تعداد میں یہ دشمنوں سے کم نہیں لیکن نہ جانے انہیں کیا ہو گیا ہے کہ مقابلے کے بجائے خوف وہراس کے شکار بے بس زندگی سے تنگ آکر ان کے عزائم چور چور ہو گئے ہیں۔

دیکھا جائے تو آج پوری دنیا میں مسلمانوں کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں، ہر طرف ان کا قتل وخون جاری ہے، ان کی تلواریں کند اور عزائم شکستوں سے چور چور ہیں۔ شاید اسی منظر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ایک زمانہ آئے گا جب مسلمانوں کو غیر اقوام لقمہ تر سمجھیں گی اور ہر جگہ ان کا خون ارزاں ہو جائے گا۔ تب آپ کے صحابیوں نے پوچھا تھا، یا رسول اللہ کیا اس وقت ہم تعداد میں کم ہوں گے؟ حدیث کی مختلف روایتیں بتاتی ہیں کہ آپ نے فرمایا نہیں تم تعداد میں کم نہیں ہو گے بلکہ تمہارے دلوں میں وہن لگ چکا ہو گا۔ وہن دراصل ایک ایسی بزدلی ہے جو دنیا کی شدید محبت کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے۔ جب دنیا کی مختصر سی زندگی آخرت کی طویل زندگی کے مقابلے میں پر کشش معلوم ہونے لگے، جب اللہ کی راہ میں خون بہانے کے بجائے شیطان چھوٹی موٹی بے ضرر عبادتوں سے کام چلانے کا سلیقہ سکھادے تو انسان کو اللہ کے لئے مرمٹنے کے بجائے دنیا میں زیادہ دنوں تک ذلت کی زندگی جینا ہی کچھ بھلا بھلا لگتا ہے۔ حالانکہ قرآن مجید بہت واضح الفاظ میں کہتا ہے "اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں نہیں لڑتے ان مردوں عورتوں اور بچوں کے لئے جو کمزور پاکر دبا لئے گئے ہیں اور جو فریاد کر رہے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں اس بستی سے نجات دے جس کے باشندے ظالم ہیں اور ہمارے لئے حامی اور مدد گار پیدا فرما" (سورہ نساء) اللہ کا یہی حکم تھا جس کے تحت محمد بن قاسم ہندوستان میں ان مسلم بچوں، عورتوں کے قافلے کی مدد کے لئے آئے تھے جنہیں مقامی حکومت نے اپنے ظلم کا نشانہ بنا لیا تھا اور جنہوں نے وقت کی مسلم حکومت سے یہ درخواست کی تھی کہ وہ ان بے بس مسلم خواتین بچوں اور بوڑھوں کی مدد کو پہنچیں جو مقامی حکومت کے ظلم کا شکار ہیں۔ تب عالمی سطح پر اسلام ایک سیاسی قوت کی حیثیت سے زندہ تھا لہذا کمزوروں کی مدد کے لئے ساری سیاسی مصلحتوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے محمد بن قاسم کو ہندوستان کا رخ کرنا پڑا۔

کہنے کو آج بھی دنیا میں مسلمانوں کی کوئی 52 ریاستیں موجود ہیں اور ان میں سے ہر ایک اپنے آپ کو ایک دوسرے سے بڑھ کر اسلام کا سچا پیروکار بتاتی ہے لیکن تین سال سے ہو رہے مسلسل قتل عام کے باوجود بوسنیائی مسلمانوں کی مدد کو اب تک کوئی بھی مسلم ریاست نہیں پہنچ سکی ہے۔

رہے ہم ہندوستانی مسلمان تو بوسنیائی مسلمانوں کے مقابلے میں ہم سے بھی کم مداہنت کا ارتکاب نہیں ہوا ہے۔ بیس کروڑ مسلمانوں کی آبادی والے اس ملک میں گذشتہ تین سالوں میں ایک دن بھی ایسا نہیں ہے جب ہم نے بوسنیائی مسلمانوں کے لئے اجتماعی طور پر دعا کا اہتمام کیا ہو اور جس ملک میں مسلمانوں کے معتبر ترین قدیم ادارے موجود ہوں وہاں سے اگر مسلمانوں پر ظلم کے خلاف آواز نہ اٹھے تو یہ سمجھنا چاہیے کہ ہم اس اسلام کے پیروکار نہیں رہ گئے ہیں جس کا انقلابی اور آفاقی پیغام دنیا بھر کے مسلمانوں کو ایک جسد واحد گردانتا ہے۔ بوسنیائی مسلمانوں کو کوئی عملی مدد پہنچانا تو کجا ہم سے تو یہ بھی توفیق نہ ہوئی کہ ان کے لئے علامتی طور پر چند پیسوں کا انتظام کر کے ہی بھیج دیتے۔ ایک ایسی صورتحال میں جب پوری دنیا میں مسلمانوں کا خون بہہ رہا ہے ہندوستانی مسلمانوں کی خاموشی پر بوسنیائی مسلمان پوچھتے ہیں کہ ہم نے تو مغربی معاشرے اور کمیونزم کے زیر تسلط اپنا اسلام کھوٹا کر لیا لیکن تم جسے اپنے اسلام پر بڑا ناز ہے آخر کس اسلام کے مبلغ ہو جو تمہیں ظلم کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے سے روکتا ہے اور تمہارے علماء جن کی زبانیں قال اللہ وقال الرسول کہتے نہیں تھکتیں وہ رسول اللہ کی یہ حدیث کیسے بھول جاتے ہیں جس میں آپ نے فرمایا کہ جس کسی نے اسلام کے لئے تلوار نہ اٹھائی ہو اس کا ایمان مشکوک ہے۔؟

ہے کوئی جو بوسنیائی مسلمانوں کے اس سوال کا جواب دے؟